وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

ماہنامہ

عالمی

ترجمان القرآن

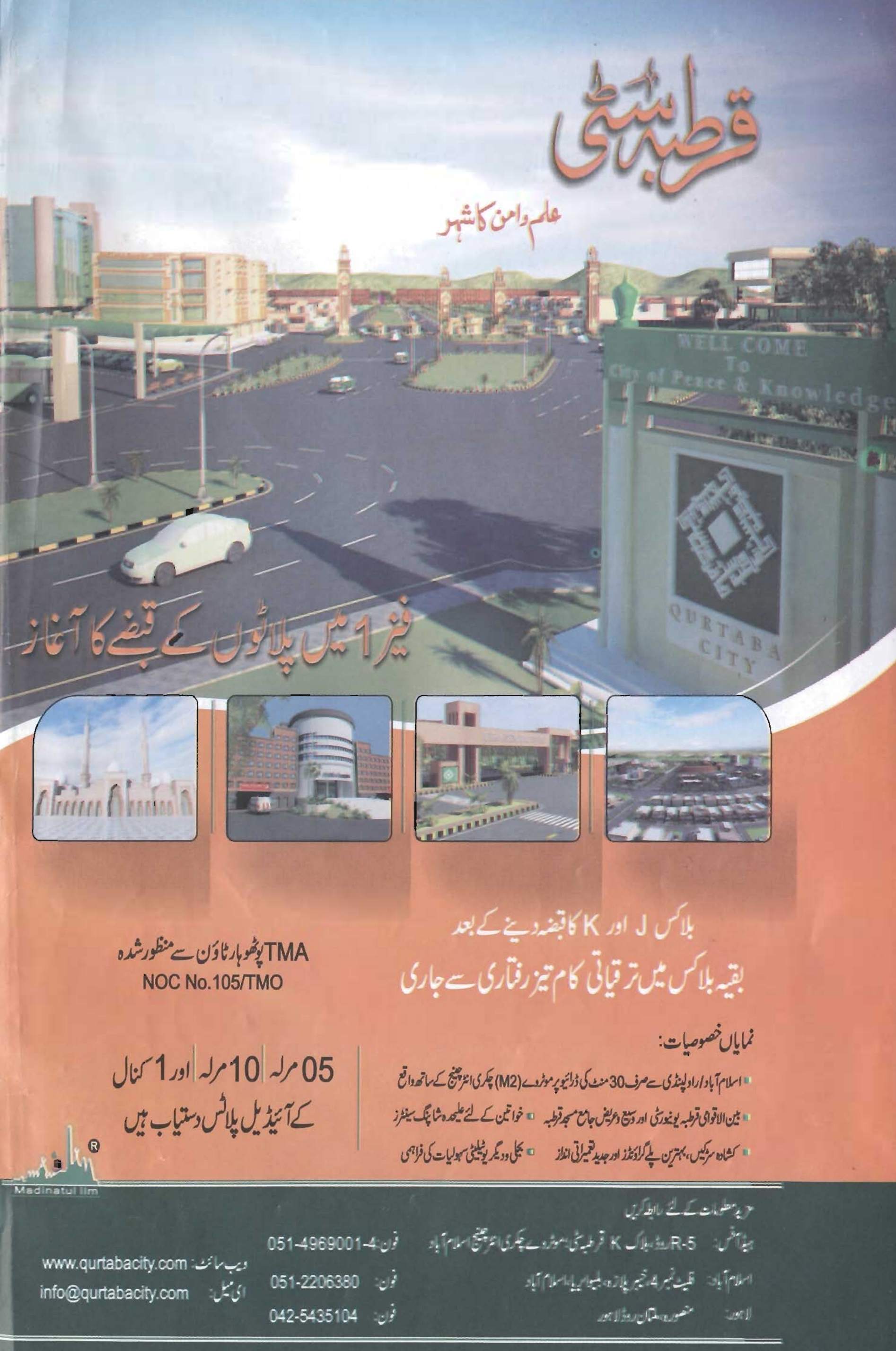
بیاد: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اکتوبر ۲۰۱۳ء



مدیر: پروفیسر خورشید احمد

الابلاغ ٹرسٹ


قرطبہ سٹی
علم و امن کا شہر
WELL COME
To
City of Peace & Knowledge
QURTABA
CITY
فیز 1 میں پلاٹوں کے قبضے کا آغاز
بلاکس J اور K کا قبضہ دینے کے بعد
بقیہ بلاکس میں ترقیاتی کام تیز رفتاری سے جاری
TMA پوٹھوہار ٹاؤن سے منظور شدہ
NOC No.105/TMO
نمایاں خصوصیات:
اسلام آباد/راولپنڈی سے صرف 30 منٹ کی ڈرائیو پر موٹروے (M2) چکری انٹرچینج کے ساتھ واقع
بین الاقوامی قرطبہ یونیورسٹی اور وسیع و عریض جامع مسجد قرطبہ
خواتین کے لئے علیحدہ شاپنگ سینٹرز
کشادہ سڑکیں، بہترین پلے گراؤنڈز اور جدید تعمیراتی انداز
بجلی و دیگر یوٹیلیٹی سہولیات کی فراہمی
05 مرلہ | 10 مرلہ | اور 1 کنال
کے آئیڈیل پلاٹس دستیاب ہیں
Madinatul Ilm
مزید معلومات کے لئے رابطہ کریں
ہیڈ آفس: R-5 روڈ بلاک K قرطبہ سٹی موٹروے چکری انٹرچینج اسلام آباد
فون: 051-4969001-4
اسلام آباد: فلیٹ نمبر 4، خیبر پلازہ، بلیو ایریا اسلام آباد
فون: 051-2206380
لاہور: منصورہ ملتان روڈ لاہور
فون: 042-5435104
ویب سائٹ: www.qurtabacity.com
ای میل: info@qurtabacity.com

ماہنامہ عالمی

ترجمان القرآن

جلد ۳، عدد ۱۰، ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ، اکتوبر ۲۰۱۳ء

مدیر: پروفیسر خورشید احمد نائب مدیر: مسلم سجاد

سرورق ٹائل: مسجد حسن، کیسابلانکا، مراکش

ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۷۹۰ فون: ۰۴۲-۳۵۴۲۵۳۵۶ فیکس: ۳۵۴۳۲۱۹۴ ـ tarjumanq@gmail.com

انتظامی امور: ۳۳- زینب پارک، نزد منصورہ، لاہور-۵۴۷۹۰-فون: ۰۴۲-۳۵۴۲۷۹۱۶- فیکس: ۳۵۴۲۷۹۱۵

موبائل: ۰۳۰۷-۴۱۱۲۷۰۰ ای میل: tarjuman@tarjumanulquran.org ویب: www.tarjumanulquran.org

- قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے
- زر سالانہ: ۳۵۰ روپے
- ۵ سال کے لیے: ۱۵۰۰ روپے
- معاون خصوصی: ۶۰۰۰ روپے
- بنگلہ دیش، بھارت ۱۴۰۰ روپے
- ایران، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۸۰۰ روپے
- امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۲۱۰۰ روپے

بنک اکاؤنٹ: بنام عالمی ترجمان القرآن، BOP, Ichhra, Br. Code 093, Lahore A/c 800-792-000-0

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

مصالحت کی سزا

پھر مارشل لا کے زمانے میں ۲۰ مارچ کے قریب خواجہ نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور سے میری ملاقات ہوئی اور ان سے مَیں نے کہا کہ آپ مرزا بشیرالدین محمود صاحب سے خود جا کر ملیں اور ان کو مشورہ دیں کہ اگر وہ واقعی مسلمانوں سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ ان کی جماعت اس ملّت کا ایک جزو بن کر رہے، تو وہ صاف الفاظ میں حسبِ ذیل تین باتوں کا اعلان کر دیں:

(۱) یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معنی میں خاتم النبیینؐ مانتے ہیں کہ حضوؐر کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ (۲) یہ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے لیے نبوت یا کسی اور ایسے منصب کے قائل نہیں ہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔ (۳) یہ کہ وہ تمام غیراحمدی مسلمانوں کو مسلمان مانتے ہیں اور احمدیوں کے لیے ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا، ان کے امام کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنا، ان کو بیٹیاں دینا جائز سمجھتے ہیں۔

میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ اگر آج مرزا صاحب ان باتوں کا واضح طور پر اعلان کر دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا....

پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ صاحب نے 'ربوہ' جا کر اس پر مرزا صاحب سے گفتگو کی، اور مرزا صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ بلا کر اس پر غور کریں گے۔ مگر اسی دوران میں میری گرفتاری عمل میں آ گئی، اور بعد کی کوئی اطلاع مجھے نہ مل سکی۔ غالباً مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حکومت پوری طاقت سے ان کی حمایت اور مسلمانوں کی سرکوبی کر رہی ہے، میری اس تجویز کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا ہوگا....

بہرحال میری ان کوششوں سے یہ بات عیاں ہے کہ مَیں نے اپنی حد تک اس نزاع کے تینوں فریقوں کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے۔ مگر ہر فریق نے مجھے ان کوششوں کی وہ بڑی سے بڑی سزا دی جو وہ دے سکتا تھا۔ ایک فریق نے بھرے جلسوں میں متعدد بار عوام کو میرے خلاف بھڑکایا، یہاں تک کہ ۶ مارچ کی صبح کو ایک مشتعل مجمع میرے مکان پر چڑھ آیا۔ دوسرے فریق نے پانچ واجب القتل 'خونی ملاؤں' میں مجھے بھی شمولیت کا شرف عطا کیا۔ تیسرے فریق نے مجھے گرفتار کر کے میرا کورٹ مارشل کرایا اور مجھے پہلے سزائے موت اور پھر چودہ سال کی قید بامشقت کی سزا دلوائی۔ (تحقیقاتی عدالت میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا تحریری بیان، ترجمان القرآن، جلد ۴۱، عدد ۱، محرم ۱۳۷۳ھ، اکتوبر ۱۹۵۳ء، ص ۴۸-۴۹)

نائن الیون اور ۱۲ سالہ ناکام امریکی جنگ

پاکستان کے لیے نئی سلامتی پالیسی کے تقاضے

پروفیسر خورشید احمد

جنگ دو دھاری تلوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ جہاں انسانیت کے لیے فساد فی الارض سے نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے، وہیں وہ اسے ایک عظیم تر فساد کی آگ میں جھونکنے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے جو قانون دیا ہے، اور جو اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن اور سنت نبویؐ میں محفوظ ہے، اس میں اس بارے میں ایسی رہنمائی دی گئی ہے جو انسانیت کو فساد سے بچا سکے اور عدل و انصاف کی راہیں ہموار کرسکے۔

اس قانون کی رُو سے جنگ کے باب میں دو اہم ترین شرطیں واضح کردی گئی ہیں، یعنی: اول یہ کہ جنگ زر اور زمین کے حصول، محض سیاسی قوت، معاشی بالادستی اور دوسرے مفادات، تعصّبات یا محض جہاں گیری اور اپنی قوت کے غلبے کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔ مبنی برحق جنگ وہی ہوسکتی ہے جو دفاع یا ظلم کے مقابلے کے لیے ہو۔ اس اصولی اور ابدی ہدایت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جنگ کے جواز کو حق اور عدل سے مشروط کردیا۔ اس کے ساتھ دوسری اہم تحدید یہ بھی کردی کہ خود جنگ کے دوران ہر قسم کے ظلم اور انسان سوز زیادتیوں سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ دشمن کی عسکری قوت پر بھرپور ضرب ہو لیکن عام انسانوں، خصوصیّت سے معاشرے کے ان تمام عناصر کے جان، مال اور آبرو کی مکمل حفاظت کی جائے جو شریکِ جنگ نہیں۔ (non-combatants) دشمن کی

عبادت گاہوں، عورتوں، بچوں، حتیٰ کہ پھل اور سایہ دار درختوں اور کھڑی فصلوں تک کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ اس لیے کہ جنگ کا ہدف صرف حقیقی امن اور انصاف کا حصول ہے اور جنگ کے دوران میں عام انسانوں اور بستیوں کو تباہی سے بچانا اور امن کے پیامبر ہونے کا ثبوت پیش کرنا جنگ کے آداب کا حصّہ ہے۔

اسلام کی ان تعلیمات کا دورِ جدید کے بین الاقوامی قانون کے ارتقا پر واضح اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ سولھویں صدی کے بعد جو قانون وجود میں آیا ہے، اس میں سفارت کاری کے اصول و آداب کی حد تک ہی سہی، بین الاقوامی کنونشنز (conventions) پر مبنی برحق جنگ (just war) اور جنگ کے دوران عدل و انصاف کے اہتمام (justice in war) کے اصولوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جن اقوام کو 'مہذب' اقوام ہونے کا دعویٰ ہے، انھوں نے ان دونوں حیات بخش اور امن پرور اصولوں کو بُری طرح پامال کیا ہے۔ اس کی تازہ ترین اور اندوہناک مثال دہشت گردی سے دنیا کو پاک کرنے کے نام پر وہ جنگ ہے، جو امریکا نے ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے افسوس ناک اور قابلِ مذمت واقعات کا سہارا لے کر پوری دنیا پر مسلط کی ہے اور عالمی دہشت گردی کا ایک شرم ناک خونیں باب رقم کر دیا ہے۔

بظاہر ۲۰۱۴ء میں افغانستان سے امریکی اور ناٹو افواج کی واپسی کے اعلانات کیے جارہے ہیں، مگر ان کے باوجود جنگ و جدال اور ریاستی اور مزاحمتی دہشت گردی کی آگ کے ٹھنڈے ہونے کے امکانات نظر نہیں آرہے۔ اگر امریکی افواج ہزیمت و شرمندگی کے ہاتھوں مجبُور ہوکر افغانستان سے واپس چلی بھی جائیں، تب بھی یہ علاقہ اور دنیا کے دوسرے حساس علاقے جنگ کی آگ میں سلگتے رہیں گے اور کسی نہ کسی طرح ان ممالک پر مغرب زدہ نام نہاد لبرل سیکولر نظام کے حاشیہ بردار اور وہاں کی سیاسی اور عسکری قوت کے گٹھ جوڑ سے عوام کو، خصوصیّت سے اُمت مسلمہ کو، اپنی گرفت میں رکھا جائے گا، تاکہ اس کے قومی و معدنی وسائل کی لُوٹ مار کا سلسلہ جاری رہے، اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو کھل کھیلنے کے مواقع حاصل رہیں۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے اور اس کے نام پر شروع کی جانے والی جنگ کو ۱۲ برس ہوگئے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان ۱۲ برسوں کا بے لاگ جائزہ لیا جائے۔ یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ اس جنگ کے ذریعے امریکا نے کیا حاصل کیا اور کیا کھویا اور اس سے بھی بڑھ کر اس کے نتیجے

میں ان ممالک کو کیا ملا، جو امریکا کے حلیف بنے یا جن کو امریکا نے اپنا ہدف بنایا۔ اس لیے کہ اس جنگ کی سب سے بڑی حقیقت ہے ہی یہ کہ مغربی اقوام نے اسے اُمت مسلمہ کی سرزمین پر لڑا ہے، اور وقتی اسباب جو بھی ہوں، اپنے عالمی ایجنڈے کے مطابق لڑا ہے۔ بظاہر مقصد القاعدہ کو ختم کرنا تھا، پھر طالبان ہدف بنے، پھر عراق کے ایٹمی ہتھیار جن کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر جمہوریت کے فروغ، عورتوں کے حقوق کی پاس داری، تعلیم کے فروغ اور معاشی ترقی کے خواب دکھائے گئے، لیکن اصل مقاصد صرف اپنے سیاسی اور معاشی ایجنڈے پر عمل تھا اور اس کے لیے ان ممالک میں، خصوصیّت سے افغانستان، عراق، یمن اور خود پاکستان میں ایسے عناصر کو آلۂ کار بنایا گیا جو ملک و ملّت کے مفادات کو ذاتی اقتدار اور مفادات پر بے دریغ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ وقت آگیا ہے کہ اس پورے دور کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور اس کی روشنی میں آگے کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی منصوبہ بندی کی جائے۔ اس موضوع کا حق ایک مقالے میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ موضوع تو ایک یا ایک سے بھی زیادہ کتابوں کا تقاضا کرتا ہے۔ مغرب میں یہ عمل شروع ہو چکا ہے اور مسلمان اہلِ علم کو بھی اپنے مقاصد، اہداف اور مفادات کی میزان پر اس دور کی پالیسیوں اور رُونما ہونے والے نتائج اور حالات کا صحیح صحیح تجزیہ کر کے نفع و نقصان کے پورے اِدراک کے ساتھ آگے کا نقشۂ کار تیار کرنا چاہیے۔ پاکستان میں اس وقت ۱۱مئی کے انتخابات کے نتیجے میں نئی حکومتیں وجود میں آگئی ہیں جن میں عوام نے تبدیلی کا پیغام دیا ہے۔ اگر نئی حکومتیں اس تاریخی موقع کو ضائع کر دیتی ہیں اور امریکا ہی کے احکام پر عمل پیرا رہتی ہیں تو اس سے بڑی غداری کا تصور بھی مشکل ہے۔

خانہ جنگی کا خدشہ

اس جنگ کے ۱۲برس پورے ہونے پر نئی حکومت اور پوری قوم کو دعوت غور و فکر دینے کے لیے ہم چند اہم گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی اہمیّت اس بحث کے پس منظر میں مزید بڑھ گئی ہے کہ اس نازک وقت پر بھی پاکستان کی امریکی جنگ میں شرکت اور اس کی تمام تباہ کاریوں کا مزہ چکھنے کے باوجود شمالی علاقہ جات ہی نہیں، پورے پاکستان میں فوجی آپریشن اور قوت کے ذریعے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے نئی اور وسیع تر معرکہ آرائی کے لیے فضا ہموار کی جارہی ہے۔

یوں ملک کو ایک نہ ختم ہونے والی خونیں جنگ کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اس میں امریکی اور اس کی حلیف بھارتی لابی کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سیکولر اور لبرل قوتیں پیش پیش ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ اس میں خود اسلام اور پاکستان کے ناراض دوستوں کا بھی ایک کردار ہے، یا انھیں بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ مسئلے کو اس کے عالمی اور ملکی پس منظر میں دیکھا جائے اور جو بھی پالیسی بنائی جائے، وہ بہت سوچ سمجھ کر، قوم اور اس کی قیادت کو اعتماد میں لے کر، تاریخی تجربات سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بنائی جائے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے ملک کے حقیقی مفادات اور قومی مقاصد کے حصول کے لیے صحیح معنی میں ایک قومی پالیسی ہونا چاہیے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ملک کی سیاسی اور عسکری قیادت کے لیے لازمی ہے کہ عوام کے عقائد، وژن، احساسات اور توقعات کی روشنی میں پالیسی بنائے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو پالیسیاں بیرونی مفادات کے حصول کے لیے بنی ہوں یا جن کی تشکیل جبر اور دباؤ کے تحت ہوئی ہو، یا جن کے محرکات غرور، طاقت کا زعم، انتقام اور غصہ ہوں، وہ تباہی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایک بار نہیں بار بار طاقت کا زعم رکھنے والوں نے ایسی پالیسیاں بنائی ہیں اور ان کے نتیجے میں انسانیت کو ظلم و طغیان کی آگ میں دھکیلا ہے، بڑے بڑے علاقے تاراج کیے ہیں، لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے، اور اربوں اور کھربوں ڈالر کے وسائل اس آگ میں جھونک دیے ہیں۔

نائن الیون: پس منظر اور کارفرما ذہنیت

اکیسویں صدی کا آغاز بھی ایسے ہی تباہ کن اور اندوہناک حالات میں ہوا ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی، جس کا آغاز بظاہر آسٹرین شاہی خاندان کے ڈیوک فرانسس فریڈرک کے قتل سے ہوا، جسے ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو سرائیو کے مقام پر ہلاک کر دیا گیا تھا، اور اس ایک چنگاری سے ایسی آگ بھڑکی کہ پورا یورپ استعماری جنگ کی آماج گاہ بن گیا۔ انجام کار ۵۰ لاکھ فوجی اور عام شہری موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ امریکا پہلی بار یورپی جنگوں میں شریکِ کار بن گیا، نئی ٹکنالوجی انسانیت کی خدمت کے بجاے اسے تباہ کرنے کے لیے استعمال ہونے لگی۔ پھر بیسویں صدی ۱۰۰ سے زیادہ جنگوں کا میدان بن گئی، جن میں

دوسری عالمی جنگ میں ہلاک ہونے والے ۵کروڑ انسانوں سمیت ۱۰کروڑ انسان لقمۂ اجل بنے۔

اکیسویں صدی نے دوسرے عشرے کا بھی انتظار نہ کیا کہ اس کے دوسرے ہی سال میں نیویارک اور واشنگٹن کے واقعات رُونما ہوگئے۔ یوں انسانیت کو ایک دوسرے ہی قماش کی جنگ کی آماج گاہ بنادیا گیا۔ استعماری قوتوں نے ویت نام اور افغانستان کے تجربات سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا۔ جنگ، جو ماضی میں دو ممالک یا چند ممالک کے درمیان فوجی معرکے سے عبارت تھی اور جس کی نوعیت، جس کا ہدف، جس کا میدان اور علاقہ بڑی حد تک متعین ہوتا تھا، اس کے تصور ہی کو بدل ڈالا گیا۔ حکومت اور غیر حکومتی عناصر (نان اسٹیٹ ایکٹرز) میں تصادم، ریاست کی حدود کے اندر تو مختلف شکلوں میں ہوتا تھا مگر اب جنگ ریاستوں اور غیر ریاستی مبہم جُو عناصر کے تصادم تک بڑھا دی گئی اور اسے بھی عالمی سطح تک پھیلا دیا گیا۔ اس طرح 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' میں ایک طرف ریاست یا ریاستیں فریق بن گئیں تو دوسری طرف ایک مبہم، غیر متعین عنصر، جو مکانی اعتبار (space wise) سے بھی بے حد وحساب علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح پوری دنیا اس جنگ کا میدان بنادی گئی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کون کس کے خلاف لڑ رہا ہے مگر ہر طرف خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور ملک کے ملک تاراج کیے جارہے ہیں۔

دہشت گردی کی تاریخ پیدایش ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء نہیں۔ یہ تو صدیوں سے انسانی معاشرے میں ایک دھونس، دھاندلی اور جبر کے 'نظام' کی حیثیت سے موجود رہی ہے۔ کچھ کے لیے پسندیدہ راستے کے طور پر اور کچھ کے لیے ناپسندیدہ اور ناقابلِ برداشت۔ خود امریکا میں دہشت گردی کے واقعات امریکی ری پبلک کے قیام سے ۲۰۰۱ء تک بارہا اور بڑی ہولناک شکلوں میں ہوتے رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری عشرے میں نیویارک کے ٹریڈسنٹر (۱۹۹۳ء) کو ہدف بنایا گیا اور اس کے ذمہ دار افراد کو ملک کے فوجداری قانون کے تحت مقدمہ چلا کر سزائیں دی گئیں۔ یمن کے سمندر میں یوایس کول نامی بحری جہاز کا واقعہ رُونما ہوا اور اس کو بھی اسی طرح ملکی قانون کے تحت نمٹایا گیا۔ پھر اوکلاہوما کا خونیں واقعہ رُونما ہوا، جس میں ۱۶۸؍افراد کو ایک سفید فام قدامت پرست امریکی دہشت گرد نے ہلاک کیا اور ۷۰۰؍افراد زخمی ہوئے، لیکن اس واقعے پر بھی قانون کی مشینری ہی حرکت میں آئی، طبلِ جنگ نہیں بجایا گیا۔ لیکن ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء ایک ایسا واقعہ بن گیا جس کی

بنیاد پر عالمی قانون اور ملکی فوج داری قانون دونوں کے پورے نظامِ فکروعمل ہی کو بدل کر رکھ دیا گیا۔

امریکی صدر جارج بش اور پوری مغربی دنیا نے اس کے زیراثر، دہشت گردی کے اس قابلِ مذمت واقعے کو جس میں ۲ہزار۹سو کے قریب افراد ہلاک ہوئے تھے، جن میں امریکا میں موجود ہرنسل، ملک اور مذہب سے تعلّق رکھنے والے افراد لقمۂ اجل بنے تھے،'امریکا کے خلاف جنگ' قرار دیا۔ ناٹو نے دفعہ ۵ کا سہارا لے کر امریکا پر حملے کو ناٹو پر حملہ قرار دیا۔ اقوام متحدہ نے بھی ایک مبہم قرارداد میں قوت کے استعمال کے لیے ایک ایسا بودا سا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی، جس کو علمی قانونی حلقوں میں چیلنج کیا گیا۔ امریکی کانگریس نے بھی ایک مجہول قرارداد کے ذریعے امریکی صدر کو دہشت گردی کے خلاف ہر ذریعہ اور قوت استعمال کرنے کا پروانہ دے دیا۔ لیکن اب اس کے بارے میں بھی سوالات اُٹھائے جارہے ہیں اور اس بحث کی روشنی میں امریکی صدر کے لیے شام پر فوج کشی کی اجازت حاصل کرنا مشکل ہوگئی ہے۔[۱]

یہ ۱۲ سالہ جنگ جدید مغربی تاریخ کی طویل ترین جنگ ہے اور اس کی تباہ کاریاں بھی بے حساب ہیں۔ اس کا کوئی جواز نہ بین الاقوامی قانون میں ہے اور نہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں، جو صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اگر واضح خطرے کے پیشِ نظر اور حقیقی دفاع کے لیے چارٹر میں اقدام میں پہل کی گنجایش پیدا کی گئی ہے، تو وہ بھی اقوام متحدہ کے چارٹر کی حدود میں اور اقوام متحدہ کو اطلاع ہی نہیں اقوام متحدہ کے تحت کام کرنے والی فوج کی شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن امریکی صدر نے طاقت کے زعم میں، امریکا کے سامراجی اہداف کے حصول کے لیے، جن کی ایک مدت سے منصوبہ سازی کی جارہی تھی، اس عجیب وغریب جنگ کا آغاز کیا۔ صرف القاعدہ نہیں، افغانستان اور اس کے ساتھ عراق، ایران اور شمالی کوریا پر بھی اپنے جنگی اور جارحانہ عزائم کے

۱- نیویارک ٹائمز میں قانون کے دو معروف امریکی پروفیسروں جینیفر ڈسکل، اور اسٹیفن ولیڈک کا مضمون اس سلسلے کی ایک اہم کاوش ہے۔ ان کا کہنا ہے: کئی برسوں سے بہت سے لوگوں نے یہ غلط دعویٰ کیا ہے کہ امریکا 'دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ' میں اُلجھا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے، اور کانگریس کا شکریہ کہ کبھی بھی ایسا نہیں رہا۔ اس لیے کہ کانگرنس نے نائن الیون کے بعد کے ابتدائی چند خوف ناک دنوں میں ہی یہ سمجھ لیا کہ اس سے تمام دہشت گرد گروہوں کے خلاف مسلح نہ ختم ہونے والی جنگ کے اعلان کا جواز فراہم نہیں ہوتا۔ (دی نیویارک ٹائمز، ۱۵مئی ۲۰۱۳ء، Don't Expand the War on Terror)

اظہار کے ساتھ دباؤ کا آغاز کیا۔ اس کے لیے یہ اصول وضع کیا کہ جو امریکا کے ساتھ نہیں، وہ دہشت گرد ہے یا دہشت گردوں کے ساتھ ہے اور امریکا اور اس کے اتحادیوں کے جنگی اقدام کے لیے ایک جائز ہدف ہے۔

صدر بش کے یہ الفاظ اس جنگ کے اصل اہداف کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ سامنے رہنے چاہییں:

● وہ دہشت گرد جنھوں نے یہ اقدام کیے، اور وہ جو ان کو پناہ دیتے ہیں، ہم ان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتیں گے (۱۲ستمبر ۲۰۰۱ء) ● یہ صلیبی جنگ دہشت گردی کے خلاف کچھ عرصہ چلے گی (۱۲ستمبر ۲۰۰۱ء) ● عراق، ایران اور شمالی کوریا جیسی ریاستیں بُرائی کا محور تشکیل دیتی ہیں، جو اس دنیا کے امن کو خطرے میں ڈالنے کے لیے اسلحہ فراہم کر رہی ہیں۔ (قوم سے خطاب، نیوزویک، ۱۱فروری ۲۰۱۲ء)

یہ ہے وہ ذہن (mind-set)، جسے سمجھے بغیر اس نام نہاد جنگ کی حقیقت، اس کے اصل عزائم اور اہداف اور امریکا کی عالمی سیاست میں اس کے کردار کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں گذشتہ ۱۲برسوں میں جو ناقابلِ انکار شہادتیں سامنے آگئی ہیں، ان کا احاطہ جگہ کی تنگی کے باعث یہاں ممکن نہیں۔ تاہم ان کے صحیح اِدراک پر ہی پاکستان کے لیے ایک قومی مفادات سے ہم آہنگ قومی سلامتی پالیسی بن سکتی ہے اور دہشت گردی کی امریکی جنگ سے نکلنے اور ملک میں حقیقی امن اور رواداری کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔

سیاسی حل، نہ کہ قوت کا استعمال

دہشت گردی ایک تاریخی اور سیاسی مسئلہ ہے، جس کا مقابلہ دہشت گردی پر قابو پانے کی سیاسی اور غیر سیاسی حکمت عملی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ دہشت گردی کی بلاشبہہ کوئی متفق علیہ تعریف موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے اقوام متحدہ میں اس مسئلے پر ۶۰ برس سے بحث جاری ہے۔ اقوام متحدہ نے جہاں عام حالات میں سیاست میں قوت (violence) کے استعمال کو ناروا اور ناقابلِ قبول قرار دیا ہے، وہیں خاص سیاسی حالات میں حق خود ارادی کی مسلح جدوجہد کو 'دہشت گردی' تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

قانون، سیاسیات اور سماجیات کے محققین اس پر متفق ہیں کہ 'دہشت گردی' کے اسباب

کے تعیّن اور ان کے حل کے بغیر اس سے نمٹنا ناممکن ہے۔ دہشت گردی کے مقابلے کے لیے سیاسی حکمت عملی ہی مؤثر ہوسکتی ہے، گو کہ مخصوص حالات میں کچھ حدود کے اندر ریاستی قوت کے استعمال کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ محض قوت کے ذریعے دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کی بیش تر مساعی بُری طرح ناکام رہی ہیں اور ان کے نتیجے میں دہشت گردی میں بالعموم اضافہ ہوا ہے۔ اس لیے دہشت گردی کو ملکی دستور اور قانون کے ڈھانچے میں اور سیاسی اور انسانی حالات کی روشنی میں حل کرنے ہی میں خیر ہے۔ ہر دوسرا راستہ ایسی قباحتوں اور خرابیوں کی طرف جاتا ہے جو انسانی معاشرہ، امن و امان، عدل و انصاف، جمہوریت اور آزادی کے لیے تباہ کن ہوسکتی ہیں۔

امریکا کے تھنک ٹینک رانڈ کارپوریشن نے افغانستان میں ۱۲ برس تک لڑی جانے والی جنگ کے پس منظر میں دنیا میں دہشت گرد تنظیموں، کارروائیوں اور مسلح تحریکوں کو قابو کرنے کی عالمی کوششوں کا جائزہ لیا ہے، اور اس رپورٹ کے نتائجِ تحقیق صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ بالآخر مذاکرات کے علاوہ کوئی اور راستہ مؤثر نہیں ہوتا۔ اس رپورٹ کے مطابق دنیا کی ان تمام دہشت گرد تحریکوں کے مقابلے اور بڑے خون خرابے کے بعد بالآخر جو حل نکلا ہے اس کی تصویر کچھ ایسی ہے:

- ۴۳ فی صد تحریکوں پر قابو پانے کے لیے خالص سیاسی راستہ اختیار کرنا پڑا، جو کامیاب رہا۔
- ۴۰ فی صد میں سیاسی راستے کے ساتھ اور ایک تائیدی حربے کے طور پر سول پولیس کو استعمال کیا گیا اور بالآخر سول نظام کے دائرے میں مسائل حل ہوئے۔
- ۱۰ فی صد میں سرکاری قوتوں کو شکست ہوئی، دہشت گرد تحریک کامیاب ہوئی اور سیاسی تبدیلی واقع ہوئی۔
- ۷ فی صد میں فوجی قوت کے استعمال سے دہشت گردی کو ختم کیا جاسکا۔

جن مقامات پر قوت کے ذریعے سیاسی بنیادوں پر رُونما ہونے والی دہشت گردی کو ختم کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، ان میں سب سے زیادہ 'کامیاب مثال' سری لنکا کی پیش کی جاتی ہے جہاں ۱۹۸۳ء میں تامل ٹائیگرز نے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ خودکش بمباری کے ہتھیار کو استعمال کرنے کا 'سہرا' بھی انھی کے سر ہے۔ سری لنکا کے ایک صدر مملکت اور ایک فوجی سربراہ کو بھی انھوں نے دہشت گردی کا نشانہ بنا کر ہلاک کیا۔ ۲۶ سال پر پھیلی ہوئی اس دہشت گردی اور اس کے

خلاف فوجی قوت کے بے دریغ استعمال میں ۴۰ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے ۳۰ ہزار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عام شہری تھے۔ ۲۰۰۹ء میں سری لنکن فوج کو غلبہ حاصل ہوا، لیکن ایسی بے دردی سے قتل عام کے بعد کہ پوری دنیا چیخ اُٹھی اور چار سال سے اس نسل کشی (genocide) کے خلاف دنیا بھر میں آواز اُٹھائی جارہی ہے اور سری لنکا کی سیاسی اور فوجی قیادت پر جنگی جرائم کے مقدمات چلانے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

اگر ہم سری لنکا کے مخصوص جغرافیائی، نسلی، لسانی اور تاریخی پہلوؤں سے صرفِ نظر بھی کرلیں اور اس حقیقت کو بھی نظرانداز کردیں کہ یہ مسئلہ ایک مخصوص اور محدود علاقے اور اس کی خودمختاری یا آزادی سے متعلّق تھا، تب بھی جس قیمت پر یہ فتح حکومت کو حاصل ہوئی، وہ عسکری حل کو دوسروں کے لیے پُرکشش نہیں بناسکتا۔ لیکن تعجب ہے کہ ہمارے ملک کا لبرل سیکولر طبقہ اور امریکی اور بھارتی لابی کے ہم نوا بڑھ چڑھ کر اس خونیں حکمت عملی کے اختیار کرنے کی تلقین کر رہے ہیں اور اخبارات اور ٹی وی کے ٹاک شو اس سے بھرے پڑے ہیں، لیکن تاریخ اپنا لوہا منوا کر رہتی ہے۔

ابھی ۱۸ستمبر ۲۰۱۳ء کو سری لنکا میں علاقائی انتخابات منعقد ہوئے۔ ان کے نتائج نے اس حکمت عملی کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔ جافنا اور تامل علاقے میں TNA (The Tamil National Alliance) جو سابق تامل ٹائیگرز کا سیاسی محاذ تھا، اسے ان انتخابات میں حیران کن کامیابی ہوئی ہے۔ صدر راجا پاکسا کی پارٹی کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹی این اے نے ۳۸ میں سے ۳۰ نشستیں حاصل کی ہیں، جب کہ صدر مہندرا راجا پاکسا اور ان کے اتحادیوں کی کولیشن کو صرف سات نشستیں ملی ہیں۔ ایک نشست مسلمانوں کی جماعت نے حاصل کی ہے۔

رائٹر کے نمایندے نے اسے صدر راج پاکسا کے لیے، جو ۲۰۰۵ء سے صدر ہیں، 'شرمناک شکست' قرار دیا ہے۔ اس نے عوام کے اس فیصلے کو اس انتخاب کا اصل پیغام قرار دیا ہے:

''یہ بین الاقوامی برادری کے لیے ایک بھرپور پیغام ہے کہ تاملوں کی ضرورت ایک سیاسی حل ہے''۔

اس انتخاب میں ۶۸ فی صد نے ووٹ ڈالے اور ٹی این اے نے جافنا جو تحریک کا مرکز ہے، اس میں ۸۴ فی صد ووٹ حاصل کیے۔ اس کے علاوہ دوسرے ملحقہ علاقوں میں بھی ان کو ۸۱ فی صد اور ۷۸ فی صد ووٹ ملے۔ یہ ہیں وہ تمام علاقے، جہاں فوج نے اندھی قوت کے

ذریعے تحریک کو ختم کیا تھا، مگر پہلا موقع ملتے ہی عوام نے انھی مطالبات اور ایشوز کو اُٹھا دیا، جن کو ختم کرنے کے لیے عسکری آپریشن اختیار کیا گیا تھا اور ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ سُلا کر امن کا پیغام دیا تھا۔ ٹی این اے کے فتح یاب نمایندے ایم اے سماندھیران نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے:

> ہم نے جو سیاسی موقف اختیار کیا تھا، یہ اس کی ایک بڑی تائید ہے۔ ہمارے عوام تشدد اور دھمکیوں کے سامنے جھکے نہیں، کھڑے رہے ہیں۔ اب صدر کو اس فیصلے کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ (ڈیلی سٹار، ۲۲ نومبر ۲۰۱۳ء)

ٹی این اے نے مزید مطالبہ کیا ہے کہ: ''تمام علاقے سے فوج واپس بلائی جائے، جس نے علاقے میں بے پناہ مظالم کیے ہیں''۔ عالمی سطح پر بھی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ فوج کی زیادتیوں پر محاسبہ ہو، عالمی قوانین کے مطابق ان سب لوگوں پر مقدمہ چلایا جائے جو جنگی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں اور سیاسی مفاہمت کے ذریعے مسئلے کا حل نکالا جائے۔ اس سارے خون خرابے کے بعد بات پھر سیاسی حل ہی پر آ کر رُکی ہے اور امریکا کے دانش ور بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

'دہشت گردی' کے مسئلے کا کوئی حل سیاسی گفت و شنید اور افہام و تفہیم کے سوا نہیں۔ یہ نہ کسی کی فتح ہے اور نہ کسی کی شکست۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس عمل کو بروقت اور صحیح انداز میں کیا جائے یا بعد از خرابیِ بسیار ___ ہمیں کوئی شبہہ نہیں کہ اس عمل کو سبوتاژ کرانے میں امریکا، بھارت اور اسرائیل کا ہاتھ ہے اور ان کے گماشتے یہ کھیل کھیل رہے ہیں ___ بلاواسطہ بھی اور بالواسطہ بھی۔ حالانکہ افغانستان میں خرابیِ بسیار کے بعد امریکا سیاسی حل کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور ؎

آنکہ داناں کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابیِ بسیار

کی تصویر بنا ہوا ہے۔ برطانوی وزیراعظم چرچل نے امریکا کے طور طریقوں کے بارے میں ایک بار بڑی پتے کی بات بڑے لطیف انداز میں کہی تھی جو آج بھی حقیقت کا رُوپ دھارتی نظر آ رہی ہے، یعنی: ''ہم، امریکیوں کو ہمیشہ ان لوگوں میں شمار کر سکتے ہیں، جو صحیح کام تب کرتے ہیں جب وہ دوسرے تمام ذرائع کو ہر طرح سے آزما چکے ہوتے ہیں''۔

امریکا اور برطانیہ کے بڑے خصوصی تعلقات ہیں، اس لیے بالآخر امریکا ان سے صحیح معاملہ

کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، لیکن پاکستان اور دوسرے ممالک اتنے خوش نصیب کہاں ___ وہ تو غلط اقدامات کی چکّی ہی میں پستے رہتے ہیں۔

۱۲ سالہ جنگ، کس قیمت پر؟

افغانستان پر امریکی حملہ عالمی قانون، عالمی چارٹر براے انسانی حقوق، ریاستی حاکمیت، حتیٰ کہ اقوام متحدہ کے اپنے چارٹر اور خود امریکی دستور سے بھی متصادم تھا۔ لیکن طاقت کے زعم، سیاسی اور معاشی غرور واستکبار اور جذبۂ انتقام سے سرشار امریکی قیادت نے قانون کے راستے کو ترک کر کے، اندھی قوت کا استعمال کیا اور چھے ہفتے میں افغانستان کو خاک وخاکستر بنانے، القاعدہ کو بیخ وبُن سے اُکھاڑنے اور طالبان کو ان کی حکم عدولی کی سزا دینے کے لیے ایک 'گلوبل وار آن ٹیررزم' کا آغاز کیا۔ ۱۲برس پر پھیلے ہوئے خون خرابے کے باوجود امریکا اور اس کے اتحادیوں کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اب افغانستان سے بے نیل ومرام نکلنے اور طالبان سے مفاہمت اور مذاکرات کی بیل منڈھے چڑھانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

امریکا اور ناٹو کے ۴ہزار سے زیادہ فوجی افغانستان میں ہلاک ہوچکے ہیں، جو ۱۱ستمبر کے واقعے میں جاں بحق ہونے والوں سے زیادہ ہیں۔ زخمی ہونے اور اپاہج ہوجانے والے فوجیوں کی تعداد ۳۰ہزار سے زائد ہے۔ جو امریکی فوجی واپس ہوئے ہیں، ان میں خاص طور پر اور خود ان فوجیوں میں جو افغانستان میں ہیں خودکشی عام ہے۔ پھر وہی افغان فوج اور پولیس جسے اربوں ڈالر خرچ کر کے اور بڑے چاؤ کے ساتھ تربیت دے کر طالبان کے مقابلے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس کے جوانوں نے امریکی اور ناٹو فوجیوں ہی پر حملے شروع کردیے ہیں اور اس کے لیے Green on Blue (سبز بمقابلہ نیلا) کی نئی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اب خود افغان فوج اور امریکی اور ناٹو کی افواج ایک ہی محاذ پر کھڑی نظر نہیں آتیں۔ نہ صرف اعتماد کا رشتہ ختم ہوچکا ہے بلکہ عملاً بھی ان کے درمیان رابطے کو کم کیا جارہا ہے، بلکہ امریکی افواج کو افغان افواج سے محفوظ رکھنے کی تدابیر بھی جنگی حکمت عملی کا حصہ بن گئی ہیں۔

جب یہ جنگ شروع ہوئی تو امریکی حکام نے اس پر بُرا منایا تھا کہ تھنک ٹینکس اور کچھ فوجی تجزیہ نگاروں کا خیال تھا کہ اس جنگ کے ذریعے امریکا پر ۱۰۰ارارب ڈالر کی چپت پڑسکتی ہے۔

لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہ بتا رہا ہے کہ امریکا کو فوج اور افغانستان پر ۱۰۰/ارب ڈالر سے زیادہ ہر سال خرچ کرنا پڑ رہے ہیں اور صرف افغانستان میں ان ۱۲ برسوں میں ۱۲۰۰/ارب ڈالر کا بوجھ امریکی معیشت پر پڑچکا ہے۔ اگر عراق کی جھوٹ پر مبنی جنگ کے اخراجات اور یمن وغیرہ میں دہشت گردی کے خلاف کیے جانے والے اخراجات کو بھی شامل کرلیا جائے تو بلاواسطہ اخراجات ۳ہزار ارب ڈالر تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن اگر بلواسطہ معاشی بوجھ کا اندازہ کیا جائے تو وہ ۵ ہزار ارب ڈالر سے متجاوز ہیں، جو امریکا کے سالِ رواں کے کُل جی ڈی پی کا ۳۰ فی صد بن جاتا ہے۔

پھر اس جنگ کا جو کردار ۲۰۰۸ء سے رُونما ہونے والے معاشی بحران کے باب میں رہا ہے، اس کا بھی جائزہ لیا جائے تو پوری دنیا اس جنگ کے عذاب میں جھلستی نظر آرہی ہے۔ امریکا میں ۲ہزار ۹سو افراد کی ہلاکت ایک سانحہ تھا، جس کی تمام دنیا نے مذمت کی۔ خود طالبان نے سرکاری طور پر اور مُلّا عمر نے اپنے بیان میں اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ سابق افغانی صدر اور طالبان کے مخالف پروفیسر برہان الدین ربانی نے نہ صرف مذمت کی، بلکہ دعوے سے کہا کہ افغانستان سے کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی کوئی کارروائی کرسکے یا کرواسکے۔ لیکن جرم بے گناہی کی سزا میں ڈیڑھ لاکھ افغان موت کے گھاٹ اُتارے جاچکے ہیں، اور ۳۰ لاکھ ہجرت پر مجبُور ہوئے ہیں۔

اسی طرح عراق میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۰لاکھ بتائی جاتی ہے، جس میں ۵ لاکھ بچے بھی ہیں۔ خود پاکستان میں ۴۰ ہزار سے زائد افراد شہید ہوچکے ہیں، جن میں فوجی جوانوں اور افسران کی تعداد ۵ ہزار سے متجاوز بتائی جاتی ہے، جب کہ کتنے اصل دہشت گرد مارے گئے کسی کو علم نہیں۔ امریکا اور مغربی اقوام کی نگاہ میں اپنے چند ہزار فوجیوں یا عام شہریوں کی ہلاکت تو اہمیّت رکھتی ہے، لیکن باقی دنیا میں صرف اس ۱۲ سالہ جنگ میں کتنے معصوم انسانوں کو لقمۂ اجل بنادیا گیا ہے، اس کی کوئی اہمیّت نہیں۔ حالانکہ جو کردار امریکا نے اس جنگ میں اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں ہر آزاد اور باضمیر شخص یہ کہنے پر مجبُور ہے کہ امریکی اور ناٹو قیادت نے انسانیت کے خلاف بڑے پیمانے پر جن جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے، اسے ایک نہ ایک دن ان کا حساب دینا ہوگا۔

امریکی راے عامہ کی نظر میں

یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ امریکا افغانستان اور پوری دنیا میں اپنی دہشت گردی

کے خلاف جنگ ہار چکا ہے۔ عراق سے ذلیل و خوار ہو کر اسے نکلنا پڑا، البتہ عراق کو اس نے تباہ کر دیا اور وہاں آج بھی خاک و خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔ امریکا نے اس جنگ کے آغاز میں ایک دعویٰ کیا تھا کہ اس جنگ کے نتیجے میں دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا، مگر عملاً دنیا بھر میں دہشت گردی میں اضافہ ہوا ہے۔ القاعدہ جو افغانستان میں ایک پناہ گزین گروہ تھا، اب دنیا کے طول و عرض میں ایک قوت بن گیا ہے۔ اگرچہ امریکیوں کے دعوے کے مطابق اس کی مرکزی تنظیم کمزور ہوگئی ہے، لیکن اس ایک القاعدہ کے بطن سے اب درجنوں القاعدہ گروہ رُونما ہوگئے ہیں۔ جو راستہ انھوں نے اپنے حالات کی مجبوری میں اختیار کیا تھا، وہ اب دنیا کے دوسرے حصوں میں بلاروک ٹوک اختیار کیا جارہا ہے اور امریکا کے تمام دعوے خاک میں مل گئے ہیں۔

امریکی خود جنگ سے تنگ آ گئے ہیں۔ ۱۲برس کے کارناموں کا حاصل یہ ہے کہ اب امریکا میں بھی راے عامہ کے تمام جائزے یہ بتا رہے ہیں کہ عوام جنگ سے تنگ ہیں اور تازہ ترین سروے کے مطابق ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد ۲۰۰۲ء میں امریکی آبادی کی جتنی عظیم اکثریت (۷۵ فی صد) اپنے کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی، ۲۰۱۳ء میں بھی عدم تحفظ کی یہی صورت حال برقرار ہے۔ شام پر فوج کشی کے عندیہ کا اظہار کر کے خود امریکی وزیر خارجہ جان کیری کو کہنا پڑا: ''امریکی عوام جنگ سے بے زار ہیں اور میں بھی بے زار ہوں'' لیکن پھر ٹیپ کا بند وہی تھا کہ عالمی قانون اور ریڈ لائنز کی حفاظت کے لیے فوجی قوت استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

فارن افیئرز امریکا کا مؤقر ترین مجلّہ ہے۔ اس کے تازہ ترین شماروں میں اس جنگ اور اس میں استعمال ہونے والے ذرائع، خصوصیت سے ڈرون حملوں کی ناکامی کا واشگاف اعتراف کیا گیا ہے۔ اپنے مضمون Why Drones Fail? میں پروفیسر اوڈری کورتھ کرونن اعتراف کرتا ہے:

> ڈرون حملوں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ القاعدہ کا پروپیگنڈا بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہا ہے، بلکہ انھوں نے اس میں نمایاں طور پر اضافہ کر دیا (فارن افیئرز، جولائی/اگست ۲۰۱۳ء، ص ۴۶)۔

وہ کہنے پر مجبور ہے کہ:

> پُرتشدد جہادیت، جو نائن الیون سے بہت پہلے بھی موجود تھی جب 'دہشت گردی کے خلاف

امریکا کی جنگ، آخرکار ختم ہوگی تو اس کے بعد بھی طویل عرصے تک جاری رہے گی۔

اور یہ کہ:

واشنگٹن اب اپنے آپ کو جغرافیائی طور پر پھیلے ہوئے غیر متعین دشمن کے ساتھ ایک مستقل جنگ میں پاتا ہے، جس کا نائن الیون کے اصل سازش کرنے والوں کے ساتھ بڑا ہی موہوم تعلّق ہے۔ اس نہ ختم ہونے والے مقابلے میں امریکا کے لیے اپنے دشمنوں کے تعداد میں بہت بڑھ جانے اور ملک پر حملہ کرنے کے ان کے جذبے میں اضافے کے اندیشے ہیں (ص ۴۸)۔

ڈرون حملوں سے امریکا کو جو کچھ حاصل ہو رہا ہے وہ منفی ہے: ''لیکن اس وقت واشنگٹن جو واحد یقینی کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ امریکا کے لیے عالمی حمایت کم ہوجائے اور مقامی آبادی اس سے برگشتہ ہوجائے''۔ (ایضاً، ص ۵۰)

فارن افیئرز کے تازہ ترین شمارے (ستمبر/اکتوبر ۲۰۱۳ء) میں جارج واشنگٹن یونی ورسٹی میں علم سیاسیات کے پروفیسر اسٹیفن بڈل نے اپنے مضمون Ending the War in Afghanistan میں صاف اعتراف کیا ہے کہ اب امریکا کے سامنے مکمل شکست یا طالبان سے مذاکرات کے سوا کوئی اور راستہ نہیں:

اس جنگ کے صرف دو حقیقی متبادل ہیں، جن میں سے کوئی بھی خوش گوار نہیں ہے: ایک یہ کہ طالبان سے مذاکرات کے بارے میں سنجیدہ ہوجائیں۔ یہ کوئی امرت نہیں ہے لیکن یہ مکمل شکست کا واحد متبادل ہے۔ (ص ۵۰)

حالات کے مفصل جائزے کے بعد لکھتا ہے: ''طالبان کے ساتھ صلح ایک کڑوی گولی کی طرح نگلنا ہوگی، مگر اس مرحلے پر یہ دوسرے متبادل کے مقابلے میں کم درجے کی قربانی ہوگی''۔ (ص ۵۵)

اسے اعتراف ہے کہ مشکلات حائل ہیں، لیکن پھر بھی راستہ یہی ہے۔ انجامِ کار اس کا برملا مشورہ اس کڑوی گولی کو نگلنا ہی ہے:

مذاکرات کی بنیاد پر تصفیے میں رکاوٹیں بہت ڈرانے والی ہیں، تاہم اس طرح کا معاملہ ابھی بھی افغانستان میں امریکا کے لیے سب سے آخری بُرا متبادل ہے۔ اگر وائٹ ہاؤس

تصفیے کی ایک سنجیدہ کوشش کی قیمت قبول کرنے کے لیے رضامند نہیں ہے، تو پھر یہ وقت ہے کہ امریکا اپنے نقصان کم کرے اور افغانستان سے ابھی باہر آجائے۔ (ص ۵۷)

انگلستان کے مؤقر جریدے Prospect (پراسپیکٹ) نے ستمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ایک پورا حصہ جس موضوع کے لیے وقف کیا، وہ یہ ہے:

Admit it - We Lost: Why did the Afghan war go wrong?

تسلیم کرو! ہم ہار گئے ہیں: افغان جنگ کیوں غلط تھی؟

مضمون نگار رسالے کا مدیر ہے اور اس نے صاف الفاظ میں اس ۱۲ سالہ ناکام تجربے کے بارے میں کہا ہے کہ: ''یہ جنگ غلط تھی۔ ہمارے سارے دعوے حقیقت پر مبنی نہیں تھے'' اور یہ کہ انگلستان کے لیے یہ جنگ نہ صرف ناکام جنگ تھی، بلکہ ناکام ترین جنگ ثابت ہوئی، جو عراق میں جنگ کی شکست سے بھی کچھ زیادہ ہی ناکام رہی۔ وہ افواج جو افغانستان کو امن اور سلامتی فراہم کرنے اور طالبان کا قلع قمع کرنے کے لیے گئی تھیں، ان کا سپریم کمانڈر، یعنی ملک کا وزیراعظم اب یہ کہنے پر مجبور ہے کہ: ''طالبان کے ان سارے 'دقیانوسی خیالات' اور 'غیرمہذب طور طریقوں' کو بھول کر، جو جنگ کا سبب قرار دیے گئے تھے، ہم افغانستان میں امن اور استحکام چاہتے ہیں۔ ہم طالبان کی ان کے ملک میں واپسی چاہتے ہیں''۔

برون وین مڈوکس نہ صرف جنگ کی تباہ کاریوں کو بیان کرتے ہوئے شکست کا اعتراف کرتا ہے اور جنگ کے خاتمے اور افواج کی فوری واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، بلکہ ایک آزاد اور مؤثر تحقیقات کا بھی مطالبہ کرتا ہے، تاکہ جنگ میں جانے اور جنگ میں ادا کیے جانے والے کردار کا بھرپور محاسبہ ہوسکے اور آیندہ ایسے تباہ کن تجربات سے بچا جاسکے۔ شاید یہ اس جنگ کا سایہ ہی تھا جس نے برطانوی وزیراعظم کو شام پر فضائی حملہ کرنے کا شوق پورا کرنے سے محروم رکھا۔

سیاسی اور عسکری قیادت کے لیے سبق

افغانستان میں جنگی ناکامی اور دہشت گردی کے مسئلے کے فوجی حل کے دیوالیہ پن اور سیاسی حل کی ضرورت پر حال ہی میں ایک بڑی دل چسپ کتاب شائع ہوئی ہے جس میں ہمارے سیاست دانوں اور عسکری قیادت کے لیے چشم کشا حقیقتیں درج ہیں۔ یہ کتاب افغانستان میں

برطانیہ کے سابق سفیر شیرارڈ کوپل نے اپنے افغانستان میں قیام کے دوران کی یادداشتوں پر مشتمل Cables from Kabul کے نام سے لکھی ہے جو ہارپر پریس لندن نے شائع کی ہے۔ اس کے مفصل اقتباسات دی سنڈے ٹائمز نے اپنی ۲۳ جولائی ۲۰۱۳ء کی اشاعت میں شائع کیے ہیں۔ ان میں سے چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں، جو توقع ہے کہ اُن تمام افراد کے لیے بڑے مفید ہوں گے جو کُل جماعتی کانفرنس کے تجویز کردہ سیاسی حل اور مذاکرات کے ذریعے امن کی حکمت عملی کو ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں، بلکہ اس جنگ کو نہ صرف جاری رکھنے بلکہ مزید فوجی آپریشن کے ذریعے حالات کو بگاڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں:

> آہستہ آہستہ یہ واضح ہوگیا کہ طالبان کمزور ضرور ہوئے ہیں، لیکن شکست سے بہت دُور ہیں۔ انھیں امن کے عمل میں مصروف کرنے کے بجاے امریکیوں نے یہ یقین کرنے کی تباہ کن غلطی کی کہ وہ طالبان کو محض طاقت سے شکست دے سکتے ہیں۔ عراق کی غلط مثال کی پیروی کرتے ہوئے وہ فوجوں کی تعداد میں بار بار اضافہ کرتے رہے۔
>
> یہی نہیں افغانستان کے آزادی پسند لوگوں پر باہر سے دستور مسلط کیا گیا اور عوام اور مزاحمت کرنے والی قوتوں سے یورپ میں تیار ہونے والے اس دستور پر عمل کی توقع کی گئی: اس کے بعد ہم نے جو مہینے گزارے، ان میں ہم نے ایک امریکی کو یہ اجازت دے کر اپنی غلطی میں اضافہ کیا کہ وہ افغانوں پر ایسا دستور نافذ کرے، جو ایک فرانسیسی نے مرتب کیا تھا۔ یہ اٹھارھویں صدی کے یورپی دستوری نمونے کا مکمل چربہ تھا، جو افغانستان کے اصل سیاسی جغرافیے اور تاریخ کے بالکل خلاف تھا۔ اس میں اگلے ۲۰ برسوں میں ۱۴ قومی انتخابات تجویز کیے گئے تھے۔ دستوری کانفرنس میں موجود بیش تر افغان مندوبین کی خواہشات کے برعکس، بہت محبُوب افغان بادشاہت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ یہ وہ دستور ہے جس کے لیے ہمارے سپاہی لڑ رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔

طالبان اور دوسرے آزادی پسند عناصر نے اگر کچھ لچک کا مظاہرہ بھی کیا، تو اس کا بھی ان کو کوئی مثبت ردعمل نہ ملا۔ نتیجتاً افغانستان میں امریکی اور ناٹو افواج جنگ کی دلدل میں مزید دھنستے چلے گئے۔ ایک اعلیٰ امریکی سفارت کار نے کوشش بھی کی، مگر لاحاصل:

القاعدہ سے علیحدگی کے واضح اشارے کے طور پر طالبان نے کہا کہ وہ افغانستان کو ایک ایسے اڈے کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، جہاں سے دوسرے ملکوں پر حملے کیے جائیں۔ اس بات کی شہادت بھی موجود تھی کہ پٹھان کسانوں میں جو سوچنے سمجھنے والے تھے اور جو طالبان کی افواج کا بیش تر حصّہ تھے، وہ اپنے گھروں اور کھیتوں کو واپس جانا چاہتے تھے۔ مگر ان زیادہ معتدل رجحانات کے ساتھ کام کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کے بجاے ناٹو کا جواب یہ تھا کہ: 'تشدد میں اضافہ کر دیا جائے'۔ ۲۰۱۰ء کے موسم گرما میں جب افغانستان میں کمانڈر کی حیثیت سے جنرل اسٹینلے کے بجاے جنرل ڈیوڈ پیٹرس آیا، تو اسپیشل فورسز کے فضائی حملوں اور رات کی کارروائیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ ناٹو کے نئے کمانڈر کے آنے کے بعد فضا سے بمباری تین گنا بڑھ گئی۔ افغانستان اور پاکستان کے لیے امریکی صدر اوباما کے پہلے خصوصی نمایندے رچرڈ ہال بروک نے اپنے سفارتی کیریئر کا آغاز جنوبی ویت نام میں خارجہ افسر کی حیثیت سے کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صرف طاقت کا استعمال بغاوتوں کو دبا تو سکتا ہے، مگر ان کو ختم نہیں کرسکتا۔

امریکی حکمت عملی کا ایک اور اہم حصّہ افغانستان میں اپنی پسند کے سیاست دانوں کو مضبوط کرنا اور اپنی خواہشات اور مفادات کے مطابق فوج اور پولیس تیار کرنا تھا۔ اس پر بھی اربوں ڈالر ہر سال خرچ کیے گئے، معاشی ترقی کے منصوبوں سے بھی زیادہ۔ مگر اس کا حشر بھی قابلِ دید ہے:

افغانستان کو مغربی فوجوں کے بجاے افغان فوجوں کے ذریعے گیریژن (حفاظتی نقطۂ نظر سے تعیناتی) کی حکمت عملی کی کامیابی کی سب باتوں کے باوجود، افغان فوج اور پولیس کی ہلاکتیں بہت زیادہ ہیں۔ مزید جیسا کہ افغانستان کے ایک اعلیٰ برطانوی افسر نے بتایا ہے ساڑھے تین لاکھ کی فوج ہر سال ۵۰ ہزار ملازمت سے بھاگنے والے برداشت نہیں کرسکتی۔

برطانوی سفیر کی نگاہ میں سیاسی حل ہی واحد حل ہے، جس کے بارے میں وہ بڑے وثوق سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے، سفیر صاحب کے اس تجزیے میں پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت

کے لیے بھی بڑا اسبق ہے، بشرطیکہ وہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ ان تاریخی حقائق پر غور کریں:

جیسا کہ دنیا کے بیش تر تنازعات میں ہوتا ہے بشمول شمالی آئرلینڈ، وہی بات افغان جنگ کے لیے بھی درست ہے، یعنی وسیع حدود میں ایک ہی دانش مندانہ حل ہے۔

شمالی آئرلینڈ سے جو دوسرا اسبق سیکھا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے آغاز سے ہی یہ یقینی بنایا کہ فوجی کوششیں ایک سیاسی حکمت عملی کا حصہ ہوں، جو باغیوں کو نئے دستوری تصفیے میں کوئی مقام دیتی ہوں۔ بہت پہلے ۱۹۷۲ء میں، جو خونیں اتوار کا سال تھا، جب سیکرٹ انٹیلی جنس سروس کے بہادر افسروں کو اختیار دیا گیا کہ وہ آئرلینڈ کے طول وعرض میں سفر کریں تاکہ پروویژنل آرمی کونسل کو یہ پیغام جائے کہ اگر IRA (آئرش ری پبلکن آرمی) تنازعے کو ختم کرنا چاہتی ہے تو مذاکرات کا راستہ کھلا ہے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ افغان جنگ میں امریکا ایک بہت آسان اور یک رُخے نقطۂ نظر پر جما رہا، یعنی کاؤبوائے والا رویہ! سوچ کے دائرے بڑے محدود رہے: اچھے لوگ اور بُرے لوگ، افغان افواج اور دہشت گرد طالبان۔ بیش تر امریکی گہرے قدامت پسند اور شدت سے مذہبی بنیاد پرست طالبان اور القاعدہ کے عالمی عرب جہادیوں کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔

حالیہ دنوں تک اعتدال پسند طالبان سے معاملہ کرنا، تاکہ ان کے اور ان کے جنگ جُو، نہ ماننے والوں کے درمیان دراڑ ڈال کر انھیں ان کے سابق عرب مہمانوں سے علیحدہ کر دیا جائے، اس کا مغربی حکمت عملی میں کوئی حصّہ نہ تھا۔ دہشت گردوں سے بات چیت کرنا ان کو ممنون کرنا سمجھا جاتا تھا۔ جرنیلوں کو اجازت دی گئی کہ وہ فوجی فتح کا نہ صرف وعدہ کریں بلکہ زیادہ حیرت انگیز طور پر اس کا اعلان بھی کر دیں۔

افغانستان کے اندر اور اس کے ہمسایوں کے درمیان امن کے لیے واحد قابلِ عمل راستہ مذاکرات ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اب جب ناٹو سنجیدگی سے بات کرنا چاہ رہی ہے، شاید طالبان نہیں چاہ رہے۔ افغانستان کی تکالیف ابھی کچھ عرصہ جاری رہیں گی۔

افغانستان جانے سے پہلے ۲۰۰۷ء میں ناٹنگم شائر کے ایک کارکن نے مجھ سے کہا:

''تمھیں طالبان سے بات چیت کرنا پڑے گی''۔ ہزاروں جانیں بچ جاتیں اور اربوں پاؤنڈ بچ جاتے اگر عقلِ عام کی اس معمولی بات پر تب عمل کرلیا جاتا، اب نہیں۔

کیا اب بھی یہ راستہ استوار ہوسکے گا؟ کہنا مشکل ہے، مگر راستہ اس کے سوا کوئی اور نہیں اور پاکستان میں تو افغانستان کے مقابلے میں ۱۰ہزار گنا زیادہ ضروری ہے۔ وہی قومی سلامتی پالیسی بارآور ہوسکتی ہے، جو حقائق پر مبنی ہو اور تاریخی حقائق، اور ہمارے حالات اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنائی جائے۔ ملک اس وقت بڑے نازک مرحلے میں ہے اور طالبان کا نام لینے والے چند عناصر کی کارستانیاں بھی ایک منفی کردار ادا کررہی ہیں اور اس سمت میں ملک کو دھکیل رہی ہیں، جو علاقے کے لیے امریکی اور بھارتی عزائم کے لیے مفید اور ملک کی سیکولر لبرل لابی کی تمنا ہے۔

سیاسی عمل اور مذاکرات کو آغاز سے پہلے ہی سبوتاژ کرنے کے لیے ایک شوشہ یہ بھی چھوڑا جارہا ہے کہ بات چیت سے پہلے یہ اصول تسلیم ہونا چاہیے کہ دوسرا فریق دستور کو تسلیم کرے اور اس کے فریم ورک میں مذاکرات ہوں۔ سیاست، اور جنگ اس کا ایک حصّہ ہے، کام ہی دوستوں اور دشمنوں دونوں سے معاملات کرنے کا ہے۔ عین جنگ کے عالم میں بھی مذاکرات ہوتے ہیں اور فتح وشکست سے ان کا کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ ہائی جیکنگ اور اغواکاری کے واقعات بڑے تلخ اور صبرآزما ہوتے ہیں لیکن ہائی جیکر اور اغواکار سے بھی معاملات کیے جاتے ہیں۔ ایجاب وقبول کا راستہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ دستور کو پہلے منوانے کی بات وہ سیاسی بقراط بھی کررہے ہیں جو خود دستور کی اساس ___ یعنی اسلام اور قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں اور ملک کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے کھلے کھلے داعی ہیں۔ جن کی دستور سے وفاداری کا عالم یہ ہے کہ وہ کسی بھی بنیادی معاملے میں دستور کے واضح احکام پر اپنی رائے کو فوقیت دینے اور دستور کے نفاذ کو بے اثر (subvert) کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے۔ دستور سود کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے، وہ سود کے محافظ ہیں۔ دستور فحاشی اور بداخلاقی کی مخالفت کرتا ہے، وہ اس کے فروغ میں مصروف ہیں۔ دستور قرآن وسنت کی تعلیم کو لازمی قرار دیتا ہے، وہ تعلیم کو دین کے ہراثر سے پاک کردینا چاہتے ہیں۔ دستور قانون کی حکمرانی کا داعی ہے اور مقررہ قانونی کارروائی (due process of law) کے بغیر کسی شہری کو اس کی آزادیوں سے محروم نہ کیے جانے کی ضمانت دیتا ہے، اور ان کا عمل یہ ہے

کہ ہزاروں افراد لاپتا ہیں اور ریاست کی عمل داری (writ) کی کسی کو فکر نہیں۔ پھر جہاں تک فاٹا کا تعلّق ہے، اس علاقے کو تو دستور کے ان پاسبانوں نے دستور کی دسترس سے خود ہی باہر کردیا ہے اور دوسروں سے دستور کو پہلے ماننے کی بات کر رہے ہیں۔ ہم بھی دل سے دستور کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے لیے سرگرم ہیں لیکن جن حالات میں ملک کو ان حکمرانوں نے جھونک دیا ہے ان سے نکلنے کے لیے حکمت اور تدبیر کے ساتھ انسانی تاریخ کے کامیاب تجربات کی روشنی میں راستہ نکالنا ہوگا اور سیاسی عمل کو مؤثر بنانے کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں یا ڈالی جارہی ہیں ان کو دُور کرنا ہوگا۔ اس دلدل سے نکلنے کا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔

اُوپر کی بحث کی روشنی میں نئی سلامتی پالیسی کیا ہونی چاہیے اور اسے کن کن پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرنا چاہیے؟ اس کے لیے چند اشارات پیش کیے جارہے ہیں۔

سلامتی پالیسی کے لیے رہنما خطوط

۱- قومی سلامتی کی پالیسی کے لیے ضروری ہے کہ اسے عوام کی تائید حاصل ہو۔ حکومت کی اور عوام کے جذبات، احساسات، توقعات اور عزائم میں اگر بُعد ہوگا تو وہ پالیسی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دہشت گردی کے سلسلے میں جنرل مشرف کے دور سے جو پالیسیاں ملک پر مسلط کی گئی ہیں، ان کو قوم کی تائید حاصل نہیں رہی اور صحیح نتائج نہ نکلنے میں بڑا دخل اس اندرونی تضاد کا ہے۔

۲- دہشت گردی کے مسئلے کی اصل حقیقت کو سمجھے بغیر کوئی پالیسی نہیں بن سکتی۔ اس مسئلے کے کم از کم چار پہلو ایسے ہیں، جن کا سمجھنا اور ان کی روشنی میں صحیح پالیسی بنانا ضروری ہے:

اوّل: مسئلے کا گہرا تعلّق پاکستان کی خارجہ پالیسی، علاقے کے بارے میں امریکی پالیسی اور اس پر عمل درآمد بشمول ڈرون حملے، پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت، معیشت اور فوج کے معاملات پر ان کے اثرات، افغانستان میں ان کی کارروائیاں اور ان کے پاکستان پر اثرات سے ہے۔ اس لیے محض دہشت گردی کے خلاف پالیسی کے کوئی معنٰی نہیں۔ خارجہ پالیسی، افغانستان میں امریکا کا کردار اور پاکستان کی اس میں شرکت اور خود پاکستان میں اس کے اثرات ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان کو الگ کر کے کوئی مؤثر پالیسی نہیں بنائی جاسکتی۔ یہ وہ بنیادی بات ہے، جس کو پارلیمنٹ کی ۲۲ راکتوبر ۲۰۰۸ء، اور ۱۴ مئی ۲۰۱۱ء کی قراردادوں میں واضح کیا گیا ہے

اور پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی نے اس پر تفصیلی ۶۰ نکات سے زیادہ پر مبنی اپنی رپورٹ دی ہے جسے نظرانداز کیا گیا ہے۔

دوم: دہشت گردی کے خلاف پالیسی اور بغاوت کے خلاف پالیسی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کے نتائج بڑے خوفناک ہوسکتے ہیں۔ سری لنکا کی مثال سرکاری حلقے اور میڈیا بار بار دے رہے ہیں، لیکن وہ اس مغالطے پر مبنی ہے کہ بغاوت کے خلاف پالیسی کو دہشت گردی کے خلاف پالیسی بنایا جاسکتا ہے۔ سری لنکا کا مسئلہ کئی اور پہلوؤں سے بھی مختلف ہے اور اس کی بھی جو قیمت قوم کو دینا پڑی ہے اور مسلسل دے رہی ہے، وہ ایک الگ پہلو ہے۔ انسانی حقوق کا مسئلہ اور ملک میں مستقلاً آمرانہ نظام کا قیام الگ پہلو ہے، لیکن اپنی اصل اور جوہر کے اعتبار سے وہ پالیسی دہشت گردی کے خلاف مؤثر نہیں ہوسکتی۔

سوم: پاکستان میں جس چیز کو دہشت گردی کہا جا رہا ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ افغان طالبان الگ شے ہے۔ جسے پاکستانی طالبان کہا جاتا ہے، وہ بھی مختلف عناصر اور گروہوں کا مرکب ہے، جس میں باہم کوئی ربط یا وحدتِ نظم نہیں ہے۔ فرقہ وارانہ تشدد ایک الگ شے ہے۔ مرکزگریز اور علیحدگی پسندی کے لیے کام کرنے والے گروہ مختلف نوعیت کا چیلنج پیش کرتے ہیں، جب کہ عام مجرموں نے جس طرح اس صورت حال کا فائدہ اُٹھایا ہے یا کچھ مخصوص سیاسی اور مذہبی گروہوں نے اپنے اپنے مقاصد کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کیا ہے، ان کے لیے الگ الگ حکمت عملی اور اقدام کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح کراچی کا مسئلہ اپنا الگ رنگ رکھتا ہے اور اس میں سیاسی اور دوسرے عناصر سے نبٹنے کے لیے الگ حکمت عملی کی ضرورت ہوگی۔

چہارم: ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ دہشت گردی، شدت پسندی، تشدد، فرقہ واریت، عدم رواداری ــــــ ہرایک کا اپنا مخصوص مسئلہ ہے اور اصلاح کا راستہ مختلف ہے۔ ان سب کو باہم دگر ملادینا سخت نقصان دہ اور غیرحقیقت پسندانہ پالیسی ہے۔

ان چاروں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر پالیسی بنانا ہوگی اور ہر پہلو کے لیے الگ پالیسی اور اقدامات درکار ہوں گے۔ یہ سب مجموعی قومی سلامتی پالیسی کے اجزا ہوں گے، لیکن ہرایک کو مجموعی پالیسی کے فریم ورک میں دیکھنا ہوگا۔

۳- بنیادی مسئلے کا حل سیاسی ہے اور اس کے لیے مذاکرات کے سوا کوئی راستہ نہیں، لیکن دوسرے متعلقہ پہلوؤں کے لیے دستور اور قانون کے دائرے میں ریاستی قوت کا صحیح استعمال بھی درکار ہوگا۔ اس کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان سب کا اہتمام ضروری ہے۔ پارلیمنٹ کی قراردادوں میں یہ بار بار کہا گیا کہ مسئلے کا اصل حل سیاسی ہے اور اس کے لیے مذاکرات کا راستہ ہی صحیح راستہ ہے۔ البتہ اس کے لیے اپنے اپنے دائرے میں اور اپنے اپنے آداب کے ساتھ پیش رفت اور رکاوٹ (deterrance) دونوں ضروری ہیں۔ موجودہ حالات میں اس فریم ورک میں نیا نقشۂ کار بنانا ہوگا۔

۴- حکومت کی پالیسی کی سطح پر ناکامی کے ساتھ پانچ مزید پہلو ہیں، جن کے لیے مناسب اقدام کرنے ہوں گے:

- خفیہ معلومات کی فراہمی میں ناکامی اور متعلقہ اداروں میں باہمی رابطے کی کمی۔
- پولیس، انتظامیہ اور انٹیلی جنس میں سیاسی اثر و نفوذ، تقرریاں اور سیاسی عناصر کا کردار۔
- سیاسی قیادت اور انتظامیہ کی نااہلی، جانب داری، سیاسی مفاد پرستی یا مفاہمت۔
- مرکز اور صوبوں میں ہم آہنگی کی کمی۔
- سول اور فوجی قیادت میں ہم آہنگی کی کمی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جواب دہی میں ناکامی۔

کوئی پالیسی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ان پانچ اُمور کو صحیح طور پر طے نہ کرلیا جائے۔

۵- پاکستانی سیاست، دہشت گردی کے خلاف اقدام، مذہبی منافرت، علیحدگی پسندی کی تحریکیں، ان سب میں بیرونی قوتوں کے کردار کو محض 'سازش' کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مداخلت اور کردار بھی ایک حقیقت ہے اور اس کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں کئی ممالک اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کا کردار خطرناک حد تک موجود ہے۔ امریکا اور بھارت بڑے کردار ہیں لیکن مقامی قوتیں بھی اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے اپنا اپنا کھیل کھیل رہی ہیں۔ جامع پالیسی کے ذریعے ان تمام پہلوؤں کا بھی پورا پورا توڑ کرنا ضروری ہے۔

۶- قومی سلامتی پالیسی کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام پہلوؤں کا اِدراک کیا جائے اور حقیقت پسندی، جرأت، بیرونی دباؤ سے آزاد ہوکر، قومی مفاد میں اور قوم کو اعتماد میں لے کر اس کے عزائم اور احساسات کی روشنی میں اسے تشکیل دیا جائے۔ اس سلسلے میں اس وقت برطانیہ کی اس

مثال کو پیش نظر رکھا جائے کہ برطانوی حکومت جو شام پر حملہ کرنا چاہتی تھی، اسے کس طرح پارلیمنٹ اور عوام کی راے کے دباؤ میں پالیسی بدلنا پڑی ہے۔ امریکا میں بھی یہ مسئلہ درپیش ہے۔ پاکستان میں عوام کی راے کو جس بے دردی سے نظرانداز کیا گیا وہ مہلک تھا۔ اب اس روش کو یکسر تبدیل ہونا چاہیے اور نئی پالیسی تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر بنانے کی ضرورت ہے۔

۷- یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے، کہ اس نوعیت کے تنازعات اور دہشت گردی کے باب میں پیدا ہوجانے والے حالات میں مذاکرات کا کوئی ایک ٹریک نہیں ہوسکتا۔ نیز مذاکرات ٹی وی شو کے ذریعے نہیں کیے جاتے۔ ہمارے مخصوص حالات میں اس امر کی ازبس ضرورت ہے کہ مذاکرات، مذاکرات سے پہلے کے اقدام اور ان کی ترجیحات، مذاکرات کے اصل اہداف اور سب سے بڑھ کر ملک کے حالات اور علاقے کی روایات کی روشنی میں بہت سوچ سمجھ کر، مشاورت کے ساتھ اور اپنے حالات کی مناسبت سے ترتیب دیا جائے۔

۸- یہ امر بھی سامنے رہے کہ مذاکرات اور پورے سیاسی عمل کو سبوتاژ کرنے والی قوتیں بہت سرگرم ہیں اور ہوشیار بھی ہیں۔ ان تمام خطرات، رکاوٹوں اور دراندازیوں کی بھی پیش بندی کرنا ہوگی جو اس نوعیت کے حالات کا لازمی حصّہ ہیں۔ اس کام کے لیے اہداف کا صحیح صحیح تعیّن، روڈمیپ کا شعور اور اس کی تیاری، مفید قوتوں سے تعاون اور مخالف اور مذاکرات کو درہم برہم کرنے والی قوتوں کو قابو کرنے اور ان کے شر سے اس عمل کو محفوظ بنانے کے لیے کب اور کون سی تدابیر ضروری ہیں، ان کا اِدراک اور اہتمام بھی ضروری ہے۔ ایسے پیچیدہ حالات میں غیرحکیمانہ حل کی تلاش اور جلد بازی میں حکمت عملی میں تبدیلیاں تباہ کن ہوسکتی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان مسائل کی اہمیت اور پیچیدگیوں کو سامنے رکھ کر حکمت اور استقامت کے ساتھ ایک جامع حکمت عملی بنائی جائے اور راستے کی مشکلات اور مواقع کو سامنے رکھ کر مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی قومی اہداف کے حصول کے لیے کوشش کی جائے، اور کسی بھی معاملے کو اَنا کا مسئلہ نہ بنایا جائے اور جذبات اور اندرونی و بیرونی دباؤ، دونوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے____ وما علینا الا البلاغ

لھو رنگ کراچی امن کا متلاشی

ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی

۱۵جولائی ۲۰۱۳ء کو انسانی حقوق کمیشن پاکستان نے کراچی کے امن وامان پر اپنی رپورٹ شائع کرتے ہوئے کہا کہ سال رواں کے ابتدائی چھے ماہ میں کراچی میں ۱۷۲۶ افراد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے۔ یہ تعداد سال ۲۰۱۲ء میں ۱۲۱۵ تھی۔ گویا اس سال کے ابتدائی چھے ماہ کراچی کی تاریخ کے بدترین بدامنی کے چھے ماہ قرار پائے۔

کراچی کی تشویش ناک صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے وزیراعظم میاں نواز شریف ستمبر کے ابتدائی دنوں میں کراچی تشریف لائے۔ گورنر ہاؤس میں تمام سیاسی جماعتوں، تاجروں، صحافیوں اور سوسائٹی کے دیگر افراد کو جمع کیا اور ان سے تفصیلی تبادلۂ خیال کیا۔ اس موقع پر کابینہ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جرائم پیشہ افراد کے خلاف متعین اہداف کے ساتھ اقدام شروع کیا جائے گا۔

کراچی کی بدامنی اور تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال پر عوامی دباؤ کے پیش نظر تمام سیاسی جماعتوں نے اس اعلان کو قبول کرلیا لیکن سیاسی فضا ابھی تک خدشات سے مکدّر رہے۔ دو پولیس والوں کے قتل کے الزام میں جب پولیس نے ایم کیو ایم کے ایک رہنما کو گرفتار کیا تو ایم کیو ایم نے فوری طور پر شہر بند کروا کر اس کا جواب دینے کی کوشش کی۔ کراچی میں امن کی بیش تر کوششوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شہر کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے اور عموماً یہ اقدامات سیاسی دل چسپی سے خالی نہ ہونے کے سبب کبھی ایک اور کبھی دوسرے کو نشانہ بنانے کے مترادف ہوتے ہیں اور اکثر مجرم سرخرو ہوجاتے ہیں اور کوئی ایک طبقہ نشانہ بن جاتا ہے۔ ایسے اقدامات ابتدا ہی میں سیاسی دباؤ میں آجاتے ہیں۔ گویہ وقت ہی بتائے گا کہ یہ اقدام کراچی میں امن کی بحالی کتنی ممکن بنائے گا لیکن

اقدام کے آغاز کے ساتھ ہی کراچی میں ٹارگٹ کلنگ میں واضح کمی نظر آرہی ہے۔ بڑے بڑے مجرم بیرون ملک یا بیرون شہر منتقل ہوگئے ہیں اور ستمبر کے ابتدائی ۲۰ دنوں میں ٹارگٹ کلنگ کی تعداد ۱۰۰ تک نہیں پہنچی، جب کہ ۲۰۱۳ء کے پچھلے آٹھ مہینوں میں یہ تعداد ہمیشہ ۲۰۰ ماہانہ سے زیادہ رہی تھی۔

صحافتی ذرائع کے مطابق ۱۵ ستمبر تک ابتدائی ۱۰ دنوں میں رینجرز نے ۳۰۰/افراد گرفتار کیے ہیں۔ پولیس نے ۹۷۵ چھاپوں میں ۱۲۳۲ مجرموں کو گرفتار کیا ہے۔ ان دنوں میں ۳۵ ٹارگٹ کلرز اور ۵۰ مشتبہ بھتہ خور بھی گرفتار ہوئے ہیں۔ ۱۲۳۲ گرفتار شدگان میں سے چند ہی کے خلاف انسداد دہشت گردی کی دفعات لگی ہیں، جب کہ ۲۲۴ ناجائز اسلحے، ۲۲۸ منشیات، ۳۱ ڈکیتی اور ۲۳۱ پچھلے مقدمات میں مفرور ہیں۔ آپریشن سے پہلے ایجنسیوں نے وزیر اعظم کو ۴۵۰/انتہائی مطلوب ملزمان کی فہرست فراہم کی تھی لیکن اس فہرست کے ۵ فی صد لوگ بھی گرفتار نہیں ہوئے۔ اقدام کا اصل سبب بننے والے ٹارگٹ کلنگ، دہشت گردی، بھتہ خوری جیسے جرائم میں ملوث افراد بہت کم قانون کے شکنجے میں آئے ہیں۔ کراچی سے تعلّق رکھنے والے چند ملزمان مری اور لاہور سے بھی گرفتار ہوئے۔

اگلے دنوں میں اقدام کی کامیابی کو جانچنے کے چار اہم پیمانے ہوں گے:

۱- **نو گو ایریا ز کا خاتمہ:** پورے شہر میں نوگو ایریاز بنے ہوئے ہیں جن میں ایک طرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کا داخلہ ممکن نہیں ہے تو دوسری طرف عام شہری کو داخل ہونے سے پہلے پرائیویٹ لوگوں کی تفتیش سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان نوگو ایریاز میں آمدورفت مختلف سیاسی جماعتوں اور مافیاؤں کے زیراثر ہے۔ کامیاب اقدام نوگو ایریاز کے خاتمے کا باعث ہوگا۔

۲- **ناجائز اسلحے کی بازیابی:** ۲۹/اگست کو سپریم کورٹ میں کراچی بدامنی کیس کے موقع پر ڈی جی رینجرز نے کراچی میں قبائلی علاقہ جات سے آنیوالے ناجائز اسلحے پر بات کی۔ انھوں نے ۱۹ ہزار ناٹو کنٹینرز کی گمشدگی کا حوالہ دیتے ہوئے پورٹ اور شپنگ کے سابق وزیر کی جانب اشارہ کیا اور بتایا کہ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں اس کی تحقیقات کررہی ہیں (ایکسپریس ٹربیون، ۳۰/اگست ۲۰۱۳ء)۔ ۱۹ ستمبر کو سپریم کورٹ نے کراچی بدامنی کیس کے موقع پر اس ناجائز اسلحے کی برآمدگی کے لیے کرفیو لگا کر کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ (روزنامہ جنگ، ۲۰ ستمبر ۲۰۱۳ء)

کراچی ناجائز اسلحے سے بھرا پڑا ہے۔ متحارب گروہوں کے درمیان لڑائیوں میں دستی بم اور راکٹ لانچرز کا استعمال اب کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ گذشتہ ۱۰ برسوں میں جس بڑے پیمانے پر جدید اسلحہ یہاں آیا ہے اس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسلحے کی صفائی کے بغیر کراچی میں پایدار امن کی جانب پیش قدمی ممکن نہیں۔

۳- **قربانی کی کھالیں**: پورے ملک میں عیدالاضحیٰ اور رمضان المبارک مذہبی عقیدت کے ساتھ منائی جاتی ہے لیکن کراچی کے شہری اس موقع پر خاص اذیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر انھیں قربانی کی کھال اپنی مرضی سے دینے کی آزادی سے محروم کیا جاتا ہے تو رمضان المبارک کے موقعے پر فطرانہ اور زکوٰۃ زبردستی وصول کر لیے جاتے ہیں جس کا 'نصاب' بھی دہشت گرد متعین کرتے ہیں۔ ماہ اکتوبر میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر کراچی کے شہری اگر اپنی مرضی سے کھال دینے کے قابل ہوگئے اور دہشت گرد گروہ انھیں دباؤ میں نہ لے سکے تو یہ جاری اقدام کی بہت بڑی کامیابی ہوگی اور اس کے نتیجے میں حکومتی رٹ بحال ہوگی۔

۴- **بلدیاتی انتخابات**: ۲۴ستمبر ۲۰۱۳ء کے اخبارات میں ۱۱مئی کے انتخابات کے بارے میں چھپنے والی رپورٹ نے انتخابات کی شفافیت کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ نادرا نے این اے-۲۵۸ کے فنگر پرنٹس کا جائزہ لیا۔ جانچ کے لیے بھیجے جانے والے ۳۲ہزار ۸سو۶۵ ووٹوں میں سے صرف ۲۴۷۵ ہی جانچ کے بعد جائز قرار پائے۔ اس میں سے ۴ہزار ۸سو۶۰ پر ایسے شناختی کارڈ نمبر کا اندراج تھا جو نادرا نے آج تک جاری ہی نہیں کیے۔ ۴۳۵ شناختی کارڈ کسی دوسرے حلقے سے تعلّق رکھتے تھے۔ ۶۵۸ ووٹروں نے دو پولنگ اسٹیشنوں میں ۱۴۰۴ ڈپلی کیٹ ووٹ ڈالے۔ ایک فرد نے آٹھ ووٹ ڈالے۔ اسی طرح ایک دوسرے شناختی کارڈ پر ۱۱ ووٹ ڈالے گئے۔ کاؤنٹر فائل ۳۸۶ پر انگوٹھے کا نشان تھا ہی نہیں (روزنامہ ڈان، ۲۴ستمبر ۲۰۱۳ء)، جب کہ این اے-۲۵۸ سے کہیں زیادہ دھاندلی کا عمل دوسرے حلقہ جات میں ہوا ہے۔ کراچی کا سب سے بڑا مسئلہ جعلی ٹھپہ مینڈیٹ ہے۔ انتخابات میں عوام ووٹ ڈالنے کی آزادی سے محروم رہتے ہیں اور جعل ساز اصل عوامی خواہش کو ٹنوں ٹھپوں کے نیچے دفن کر دیتے ہیں۔ امکان ہے کہ دسمبر/جنوری تک بلدیاتی انتخابات ہوں گے۔ یہ سوال ہر ذہن میں گردش کر رہا ہے کہ آیا جاری اقدام عوامی خواہش اور جمہوری رائے کو

سامنے آنے کا موقع دے گا؟

کراچی میں امن کے حصول کے لیے اہلِ کراچی کے اصل مسائل کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یوں تو پورے ملک کی طرح یہاں بھی بے روزگاری اور مہنگائی جرائم کے پنپنے کا باعث ہے اور جرائم پیشہ گروہ بے روزگار نوجوانوں کی باقاعدہ بھرتی کرتے ہیں۔ چونکہ بدامنی کی وجہ سے صنعتیں منتقل ہو رہی ہیں، اس لیے بے روزگاری میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ ایک طویل عرصے تک امن سمیت کراچی کے دیگر مسائل کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے مرض انتہائی سنگین ہو گیا ہے۔ کراچی کا پڑھا لکھا طبقہ جہاں کرپٹ نظام سے بے زار نظر آتا ہے، وہیں وہ اپنے دائرے میں ایک واضح شناخت کے ساتھ ملکی ترقی میں اپنا کردار بھی ادا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن معاشرے میں جاری قتل و غارت اور دباؤ اسے آزادی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لیے سرمایہ اور صلاحیت بڑی تیزی سے بیرون ملک منتقل ہو رہے ہیں۔ حکومت میں موجود گروہوں کی نظر میں کراچی سونے کا انڈا دینے والی وہ مرغی ہے جس سے اپنے مفادات جلد از جلد حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنے کی تیاری جاری رہتی ہے۔

اس ساری صورت حال میں میڈیا اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ جیو سے تعلّق رکھنے والے معروف صحافی ولی خان بابر کے قاتل تو کیا گرفتار ہوتے ایک کے سوا تمام گواہان اور تفتیش کرنے والے تمام پولیس افسران قتل ہو چکے ہیں۔ سماٹیلی ویژن کی اینکر پرسن جاسمین منظور نے اپنے بلاگ میں ۱۳/اگست ۲۰۱۳ء کو ''میری خاموشی کے پیچھے سچ'' تحریر کیا۔ ایم کیو ایم کی جانب سے جاسمین منظور کو ملنے والی دھمکیاں منظر عام پر آئیں۔ انھوں نے عجلت میں اپنے اہل خانہ کو کراچی سے باہر منتقل کیا اور سماٹیلی ویژن پر ان کا پروگرام بھی جاری نہ رہ سکا۔ (Jasmine 2013 blogspot.com) ان کی تحریر اہل حل و عقد کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

کراچی میں جرم طاقت ور ہے، جب کہ قانون خوف زدہ نظر آتا ہے۔ گذشتہ ۱۰ برسوں میں سیکڑوں پولیس افسران کا قتل ہوا ہے، جب کہ مجرم گرفتار نہیں ہوئے۔ سپریم کورٹ میں کراچی بدامنی کیس میں ڈی آئی جی ساؤتھ ڈاکٹر امیر شیخ نے کہا کہ ۱۹۹۲ء کے آپریشن میں حصہ لینے والے پولیس افسران کو چُن چُن کر قتل کر دیا گیا، جب کہ ایک اور سماعت کے موقع پر کراچی میں ۳۳ ہزار

سے زائد مفرور ملزمان کی موجودگی کا اعتراف بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے کیا گیا۔ مشرف دور میں سندھ کے وزیر داخلہ نے، جن کا تعلّق ایم کیو ایم سے تھا، انتہائی مہلک جرائم میں ملوث ۳۵ ملزمان کو پیرول پر رہا کر دیا تھا۔ جس کے بارے میں سپریم کورٹ کے حکم پر ابھی تک تحقیقات جاری ہیں۔ (دی فرنٹیر پوسٹ، ۳نومبر ۲۰۱۲ء)

کراچی میں قانون کی بالادستی ختم ہو چکی ہے اور عام آدمی کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت سے ریاست لاتعلّق بنی ہوئی ہے۔ یہاں جزا وسزا کا وہ نظام جو کسی بھی معاشرے میں حکومتی رٹ کے ذریعے قائم ہوتا ہے، آج ریاستی طور پر ناپید ہو چکا ہے اور مافیا کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ان مافیاؤں کے حکم سے انکار موت کو دعوت دینا ہے، جب کہ ریاست مفلوج ہو چکی ہے۔ SCPS (Sindh Criminal Prosecution Service) کے اعداد شمار کے مطابق پاکستان میں مجرموں کو سزا ملنے کی شرح ۶۶ء۱۱ فی صد ہے لیکن کراچی میں یہ شرح ۲ فی صد سے بھی کم ہے۔ یہ شرح برطانیہ میں ۹۰ فی صد، آسٹریلیا میں ۸۵ فی صد، امریکا میں ۸۵ فی صد اور جاپان میں ۹ء۹۹ فی صد ہے۔ گویا کراچی میں پکڑے جانے والے مجرم کے لیے رہائی کے ۹۸ فی صد سے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ ۲۰۰ قتل کا مجرم اجمل پہاڑی بھی عدالتوں سے صاف ستھرا ہو کر رہا ہو جاتا ہے۔ شیرشاہ قتل کے واقعے میں تمام ملزمان نے خود گرفتاری پیش کی لیکن ان کے خلاف کوئی گواہ آنے کو تیار نہ ہوا اور نتیجتاً سب باعزت بری ہو گئے۔ SCPS کے اعداد و شمار کے مطابق صوبہ سندھ میں ۶۶ ہزار معلق مقدمات میں سے ۲۹ ہزار سے زائد صرف کراچی کے مختلف اضلاع میں ہیں۔ سندھ اسمبلی میں پاس ہونے والا گواہوں کے تحفظ کا بل (Witness Protection Bill) ایک اچھی کوشش ہے لیکن یہ بھی عام آدمی کے اعتماد کو بحال کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ پہلے مرحلے میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا اعتماد بحال کرنا ہوگا۔ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار کے مطابق پولیس میں مجرموں کے مخبر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بار بار کی سیاسی بھرتیوں نے پولیس کے ادارے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ قومی اسمبلی میں دہشت گردی کے خلاف قانون سازی پر گفتگو جاری ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ حقوق انسانی اور پُرامن شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ دہشت گردوں کا راستہ بند کرنے کے لیے مؤثر قوانین بنائے جائیں۔

اس وقت بھی پولیس دیانت دار اور اہل افسران سے یکسر خالی نہیں ہے جنھیں میرٹ پر کام کرنے کا موقع دیا جائے تو جرائم پیشہ افراد کو پیچھے دھکیلنے کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی پولیس کی استعداد اور اسلحے کو بھی موثر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن سب سے اہم بات مستحکم حکومتی عزم اور ارادے کی ضرورت ہے کہ جرائم کی سرکوبی کے لیے کوئی سیاسی دباؤ قبول نہ کریں۔

وفاقی وزیر داخلہ کی جانب سے اعلان کردہ نگران کمیٹیوں میں سے ابھی تک سول سوسائٹی پر مشتمل نگران کمیٹی نہیں بن سکی۔ اس میں جہاں پی پی پی کے تحفظات ہیں، وہیں کراچی کے مخصوص حالات میں سول سوسائٹی سے تعلّق رکھنے والے بھی آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں نظر آتے۔

کراچی امن کا متلاشی ہے۔ اگلے تین ماہ فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ طے شدہ اہداف حاصل کرنے کے لیے آپریشن جرائم میں وقفہ ہے، یا جرائم کی بیخ کنی کے لیے فیصلہ کن قدم؟ کراچی آپریشن کے ذریعے کتنا پُرامن ہوگا؟ آپریشن کی سمت، رفتار اور نتائج اس بات کو واضح کر دیں گے۔

قربانی کے بارے میں غلط سوچ

جہاں تک قربانی کے سنت اور مشروع ہونے کا تعلق ہے، یہ مسئلہ ابتدا سے اُمت میں متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔

سب سے بڑا ثبوت اس کے سنت اور مشروع ہونے کا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں کی ہر نسل کے بعد دوسری نسل اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ دو چار یا دس پانچ آدمیوں نے نہیں بلکہ ہر پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے اپنے سے پہلی پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں سے اس طریقے کو اخذ کیا ہے اور اپنے سے بعد والی پشت کے لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں تک اسے پہنچایا ہے۔ اگر تاریخِ اسلام کے کسی مرحلے پر کسی نے اس کو ایجاد کر کے دین میں شامل کرنے کی کوشش کی ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ تمام مسلمان بالاتفاق اس کو قبول کر لیتے اور کہیں کوئی بھی اس کے خلاف لب کشائی نہ کرتا؟ اور کس طرح یہ بات تاریخ میں چھپی رہ سکتی تھی کہ اس طریقے کو کب کس نے کہاں ایجاد کیا؟ آخر یہ اُمت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑ دی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے رسولِ خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری اُمت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ہماری پچھلی نسلیں ایسی ہی منافق تھیں تو معاملہ قربانی تک کب محدود رہتا ہے۔ پھر تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بلکہ خود رسالتِ محمدیہ اور قرآن تک سب ہی کچھ مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے، کیونکہ جس تواتر کے ساتھ پچھلی نسلوں سے ہم کو قربانی پہنچی ہے اُسی تواتر کے ساتھ انھی نسلوں سے یہ سب چیزیں بھی پہنچی ہیں۔ اگر ان کا متواتر عمل اس معاملے میں مشکوک ہے تو آخر دوسرا کون ایسا معاملہ رہ جاتا ہے جس میں اسے شک سے بالاتر ٹھیرایا جاسکے۔

افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں بعض لوگ نہ خدا کا خوف رکھتے ہیں نہ خلق کی شرم۔ علم اور سمجھ بوجھ کے بغیر جو شخص جس دینی مسئلے پر چاہتا ہے بےتکلف تیشہ چلا دیتا ہے۔ پھر اسے کچھ پروا نہیں ہوتی کہ اس ضرب سے صرف اسی مسئلے کی جڑ کٹتی ہے یا ساتھ ہی ساتھ دین کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔

دراصل اس وقت قربانی کی جو مخالفت کی جارہی ہے، اس کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کسی نے علمی طریقے پر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا ہو اور اس میں قربانی کا حکم نہ پایا جاتا ہو، بلکہ اس مخالفت کی حقیقی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں لوگوں کے دل ودماغ پر معاشی مفاد کی اہمیّت بُری طرح مسلط ہوگئی ہے اور معاشی قدر کے سوا کسی چیز کی کوئی دوسری قدر ان کی نگاہ میں باقی نہیں رہی ہے۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس پر اوسطاً فی کس کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کے سامنے قربانی کے مجموعی خرچ کی ایک بہت بڑی رقم آتی ہے اور وہ چیخ اُٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ضائع کیا جارہا ہے، حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کیا جاتا تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوسکتے تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سراسر غلط ذہنیت ہے جو غیراسلامی اندازِفکر سے ہمارے اندر پرورش پارہی ہے۔ اگر اس کو اسی طرح نشوونما پانے دیا گیا تو کل ٹھیک اسی طریقے سے استدلال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر سال اتنے لاکھ مسلمان اوسطاً اتنا روپیہ سفرحج پر صرف کردیتے ہیں جو مجموعی طور پر اتنے کروڑ روپیہ بنتا ہے، محض چند مقامات کی زیارت پر اتنی خطیر رقم سالانہ صرف کردینے کے بجائے کیوں نہ اسے بھی قومی اداروں اور معاشی منصوبوں اور ملکی دفاع پر خرچ کیا جائے۔ یہ محض ایک فرضی قیاس ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع اسی ذہنیت کے زیراثر ترکیہ [ترکی] کی لادینی حکومت نے ۲۵ سال تک حج بند کیے رکھا ہے۔ پھر کوئی دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس میں اوسطاً فی کس اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہوسکتی تھی۔ لیکن بُرا ہو اُن ملاؤں کا کہ انھوں نے مسلمانوں کو نماز میں لگا کر صدیوں سے انھیں اس قدر خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے۔

یہ بھی کوئی فرضی قیاس نہیں ہے بلکہ فی الواقع سوویت روس میں بہت سے ناصحین مشفقین نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز کے معاشی نقصانات اِسی منطق سے سمجھائے ہیں۔۔۔ پھر یہی منطق روزے کے خلاف بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے۔ اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو 'ملاؤں کی ایجاد' قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے؟ (تفہیمات، دوم، ص ۲۵۹-۲۶۲)

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے طریقے پر چلتے تھے، حج کے موقع پر مکہ اور منیٰ سے مزدلفہ تک جاتے، پھر وہاں ٹھیرنے کے بعد منیٰ واپس آجاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو 'حمس' کہتے تھے، یعنی کعبہ کے متولی ہونے کے سبب اپنے آپ کو بڑی حیثیت کے مالک سمجھتے تھے۔ عربوں کے ہاں بھی ان کی بڑی حیثیت اور مقام تھا۔ اور باقی عرب میدانِ عرفات تک جاتے اور وہاں ٹھیرتے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات تک جائیں، وہاں وقوف کریں، پھر وہاں سے واپس لوٹیں۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا: ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ ۲:۱۹۹) ''پھر وہاں سے واپس لوٹو جہاں سے سارے لوگ واپس لوٹتے ہیں''۔ (متفق علیہ)

حج قدیم اسلامی عبادت ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل اور دیگر تمام انبیاؑ نے حج کیے ہیں۔ عربوں میں اسلام سے پہلے یہ عبادت جاری تھی اور کافی حد تک اسلام کے مطابق تھی۔ اس میں چند تبدیلیاں کر دی گئی تھیں، ایک یہ کہ حج کے مہینے کو آگے پیچھے کر لیتے تھے۔ دوسری یہ کہ صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ کے بت رکھ دیے تھے۔ کعبہ کا طواف تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے لیکن صفا اور مروہ کا طواف بتوں کے لیے کرتے تھے۔ ایک رسم یہ تھی کہ عام عرب بے لباس ہوکر طواف کرتے تھے، سوائے ان لوگوں کے جن کا تعلق قریش سے ہوتا یا جن کو قریش کپڑے دے دیتے۔ ان کے علاوہ باقی لوگ بے لباس طواف کرتے تھے۔ ایک تبدیلی یہ تھی کہ قریش اپنی بڑائی کے سبب میدانِ عرفات تک نہیں جاتے تھے۔ ان ساری تبدیلیوں کا اسلام نے خاتمہ کر دیا۔ ۹ ہجری میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حج کرایا، اس سال ان تبدیلیوں کے خاتمے کا اعلان کیا گیا، اور ۱۰ ہجری کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا، اس وقت ان تمام تبدیلیوں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حج کرایا جو

خالص اسلامی تھا۔ اس کے بعد سے آج تک اسلام کے مطابق حج ہو رہا ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ کعبۃ اللہ انسانوں کی زندگی اور اسلامی زندگی کا ذریعہ ہے۔ عبادات میں مسلمان کا رُخ کعبۃ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور مسلمان ہر سال ایک ہی لباس میں کعبۃ اللہ کے گرد طواف اور میدانِ عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔ منیٰ میں شیطان کو کنکر مارتے اور حج کے شکرانے کے طور پر قربانیاں دیتے ہیں اور اس طرح شیطان اور شیطانی نظام کو مٹانے کا جذبہ لے کر لوٹتے ہیں۔ مناسکِ حج کا اگر حجاج کرام کو شعور ہو جائے تو دنیا میں اسلامی نظام اور اسلامی حکومت قائم ہونے میں طاغوتی قوتیں رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مناسکِ حج کی حقیقت اور مقصد کا شعور عطا فرمائے، آمین!

O

عباس بن مرداس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام میں اپنی اُمت کے لیے دعاے مغفرت کی (حاجیوں کے لیے جو میدانِ عرفات میں وقوف کی حالت میں اپنے لیے دعائیں کر رہے تھے)۔ آپؐ نے بھی ان کے لیے دعائیں فرمائیں تو آپؐ کو جواب ملا کہ ان حاجیوں کے علاوہ جن کے ذمے حقوق العباد ہیں، تمام حاجیوں کے بارے میں آپؐ کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ آپؐ نے دوبارہ دعا فرمائی: اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت عطا فرما کر ظالم کی مغفرت فرما دیں (یعنی وہ ظالم جس کے پاس مظلوم کا حق ادا کر دینے کی استطاعت نہیں ہے، اگرچہ وہ دل سے توبہ کر رہا ہے اور مظلوم کا حق لوٹانا چاہتا ہے) تو عرفہ کی شام تک آپؐ کو جواب نہ ملا۔ پھر مزدلفہ میں صبح کے بعد آپؐ نے وقوف کیا اور اپنی اُمت کے ان ناداروں کے لیے جن سے ظلم ہو گیا، دوبارہ دعا کی تو آپؐ کی دعا قبول کر لی گئی۔ دعا کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یا مسکرائے۔ اس پر ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فرمایا: یارسولؐ اللہ! اس وقت تو آپؐ نہیں ہنستے تھے، اللہ آپؐ کو ہنساتا رہے، کس وجہ سے آپؐ ہنس پڑے؟ آپؐ نے فرمایا: جب اللہ کے دشمن ابلیس کو پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری اُمت کی مغفرت فرما دی ہے تو اس نے اپنے سر پر مٹی ڈالنا شروع کر دی اور واویلا کیا اور ہلاک ہو گیا، کہنا شروع کر دیا، تو میں نے جو اس کی پریشانی اور بے چینی اور رنج و غم کو دیکھا، اس پر مجھے ہنسی آ گئی۔ (ابن ماجہ، بیہقی، کتاب البعث والنشور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے حجاج سے کتنی محبت ہے، اس کا اندازہ آپؐ کی اس دعا سے جو میدانِ عرفات اور مزدلفہ میں آہ و زاری کے ساتھ کی گئی ہے، واضح ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ

بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اخلاص کا ثبوت دیتا ہے، توبہ کرتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کردینے کا عہد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کا سامان فرما دیتے ہیں۔ اگر وہ حق داروں کے حقوق ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے حق داروں کے حقوق ادا کردیتے ہیں اور اپنے مخلص بندوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

حجاج کس قدر خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں فرمائیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعائیں قبول فرمائیں۔ آج دنیا بھر سے حجاج سرزمین حرم میں جمع ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں حج اور مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ اور روضۂ رسولؐ پر حاضری دیتے ہیں، اور ریاض الجنۃ میں نماز پڑھتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ کاش! حجاج کرام اپنے حجاج بھائیوں اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں سے اسی طرح سے محبت کریں، اسی طرح سے نیک تمنائیں اور ہمدردی و غم گساری کریں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کی تو اُمت مسلمہ دنیا کی مضبوط اور طاقت ور اُمت کی حیثیت سے تسلیم کی جائے، اور طاغوتی طاقتیں انھیں گاجرمولی کی طرح کاٹنے، ان کا خون بہانے اور ذلیل وخوار کرنے سے باز آجائیں۔

○

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے اس طرح حج کیا کہ بیوی سے نفسانی خواہش کی کوئی بات نہ کی، کسی فسق کا ارتکاب نہ کیا، وہ اس دن کی طرح گناہوں سے پاک ہوکر واپس آئے گا جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہوگئی کہ حج صرف اس صورت میں گناہوں سے پاک کرنے کا موجب ہے جب آدمی حج کے تمام آداب کی پابندی کرے اور گناہوں سے حج کے دوران بھی اجتناب کرے اور بعد میں بھی باز رہنے کا عزم کرے۔ قرآنِ پاک میں اس بات کا بھی بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ حج کے دوران ساتھیوں سے جھگڑا نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حج میں مسلسل سفر اور ہجوم اور طبیعت پر دباؤ کی وجہ سے جھگڑے کا ماحول بن جاتا ہے، اس لیے بطور خاص جھگڑے سے روکا گیا۔ حج سیر وسیاحت کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لیے سفر کرنے کا نام ہے۔ یہ سفر عظیم عبادت ہے، اس میں ایک انسان احرام کی حالت میں لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے عشق و محبت کے جذبے کے ساتھ رواں دواں ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں اخلاص شرط ہے۔ اخلاص ہوگا تو یہ سفر عبادت بن جائے گا ورنہ محض آنا جانا ہوگا۔ اس لیے ہر حاجی کو اپنے اخلاص پر خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

○

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا: تمھارا جہاد حج ہے۔ (متفق علیہ)

اسلام نے خواتین کو مردوں سے لڑنے، ان سے ٹکرانے اور جسمانی تکلیف اور عصمت و عفت کو داغ دار ہونے سے بچانے کی خاطر انھیں جہاد کے بجاے حج کی نعمت سے نوازا جس میں ثواب تو جہاد کا ہے لیکن وہ تکالیف اور مصائب جو جہاد میں پیش آسکتے ہیں ان سے محفوظ رکھا۔ مردوں کا کام قتال ہے اور خواتین کا کام گھروں کی حفاظت اور بچوں کی تربیت اور حجِ مبرور ہے۔ کیسا عمدہ نظام ہے! مرد و عورت ثواب میں تو برابر ہوگئے لیکن دائرۂ کار میں مختلف۔ آج کی دنیا میں عورت کو جس مشقت میں ڈال دیا گیا، خواتین پولیس اور فوج میں بھرتی ہوکر دُور دراز علاقوں اور ملکوں کا سفر کرتی ہیں، اپنے شوہروں سے دُور رہتی اور بچوں کو پیار دینے سے محروم رہتی ہیں۔ کیا یہ عورتوں کے ساتھ ظلم نہیں؟ اسلام نے دنیا فتح کی، مردوں نے سفر کیے۔ اگر کہیں خواتین گئیں بھی تو لڑنے کے لیے نہیں بلکہ شوہروں کی مدد اور مجاہدین کی مرہم پٹی کے لیے لیکن تنہا نہیں بلکہ اپنے شوہروں کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ازواجِ مطہراتؓ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد رہیں اور مناسب خدمات سرانجام دیں۔ بعض خواتین نے ہنگامی حالات میں قتال میں بھی حصہ لیا لیکن عام حالات میں وہ قتال سے الگ رہیں۔

○

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خثعم قبیلے کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے والد پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہوا ہے، اس حال میں کہ بہت بوڑھے ہیں۔ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سوال و جواب حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آئے۔ (متفق علیہ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہوگئی ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر اس پر کسی کا قرض دینا ہوتا تو تم وہ ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں، ادا کرتا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ (متفق علیہ)

حج فرض ہو یا اس کی نذر مانی ہو، دونوں صورتوں میں فرض ہوجاتا ہے۔ فرض حج آدمی خود نہ کرسکتا ہو تو

دوسرا اس کی طرف سے حج کرسکتا ہے۔ اسے حج بدل کہا جاتا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہے وہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ حج کرنے کے لیے کہے۔ ایسی صورت میں دوسرا شخص اس کی طرف سے احرام باندھے گا۔ حج کے سارے اخراجات اس کے ذمہ ہوں گے جو حج کرائے۔ قربانی کی رقم بھی وہی دے گا جس کی طرف سے حج ہوگا، چاہے والد ہو یا کوئی اور۔ جس نے حج کی نذر مانی ہے اور فوت ہوگیا ہے تو وہ دوسرے کو وصیت کرے۔ دوسرا اس کی طرف سے حج کرے گا تو اس کی نذر پوری ہوجائے گی۔ ایسی صورت میں اخراجات اس کے ترکے میں سے ہوں گے اور وصیت نہ کی ہو تو مستحب ہے کہ ورثا میں سے کوئی اس کی طرف سے حج کرے۔ ایسی صورت میں اخراجات وارث کے اپنے ہوں گے، البتہ ثواب حج کرنے والے اور کرانے والے، دونوں کو پہنچے گا۔

○

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم حاجی سے ملو تو اس کے ساتھ سلام کرو، مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تیرے لیے اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دعاے مغفرت کرے۔ وہ جس کے لیے دعا کرے گا اس کی بخشش ہوجائے گی۔ (مسند احمد)

اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر آدمی خود حج پر نہ جاسکے وہاں جاکر اپنے لیے دعائیں نہ کرسکے تو حاجی جو حجِ مبرور کرکے واپس آیا ہے، اس سے دعائیں کرائے۔ اس طرح سے اس کمی کو پورا کرے جو حج پر نہ جانے سے ہوگئی ہے۔

○

حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان یہ دعا پڑھتے سنا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابوداؤد)

یہ جامع دعا ہے، یعنی دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور دوزخ کی آگ سے نجات۔ جسے مراد مل گئی وہ کامیاب ہوگیا۔ حج کا مقصد بھی پورا ہوگیا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ۷۰ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ طواف کرنے والے اور طواف میں مذکورہ دعا پڑھنے پر آمین کہتے رہیں۔ جس دعا پر اتنے فرشتے آمین کہیں، وہ کیوں کر قبول نہ ہوگی، جب کہ فرشتے بھی اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہوں کہ آمین کہیں تاکہ میں دعا کو قبول کروں۔

حج: تربیت کا عالمی مدرسہ

ایمان مغازی الشرقاوی/ ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی

ارشادِ الٰہی ہے: ''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے'' (اٰلِ عمرٰن ۳:۹۷)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو، اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا حج کرو'' (مسلم)۔ جب ایک مسلمان حج کے سلسلے میں اس حکمِ ربانی اور ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کا تہیہ کر لیتا ہے تو وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے کہ کاش دن اور رات سمٹ جائیں تاکہ وہ حرم میں جا پہنچے اور ان سعادت مندوں میں شامل ہو جائے جنھیں اللہ رحمٰن نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے اور انھیں آتشِ جہنّم سے آزاد کر دیتا ہے۔

● **میدانِ عرفات اور میدانِ حشر:** زائرِ حرم احرام باندھتا ہے تو اسے موت یاد آتی ہے۔ وہ احرام کی سفید چادروں کو کفن گمان کرتا ہے۔ عرفات پہنچ کر گویا وہ اپنے تئیں میدانِ حشر میں موجود پاتا ہے۔ یہ احساس اس پر غالب رہتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد، اُس سے اُس کے اعمال کی بابت باز پُرس ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی اس کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے اور اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ دل کی گہرائیوں سے پکار اُٹھتا ہے: ''اے میرے پروردگار، میں تیرے حضور توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوں۔ تیرے عفو و درگزر کی چوکھٹ پر کھڑا ہوں اور تیری رضا کا طلب گار ہوں، لبیک اللھم لبیک۔

موقفِ عرفہ یومِ حشر یاد دلاتا ہے۔ جب اللہ اگلوں پچھلوں کو یک جا کرے گا۔ اس دن جن و انس، فرشتے، انسان اور اس کے اعمال، انبیا اور اُن کی اُمتیں، نیکوکاروں کا ثواب اور بدکاروں کی سزا سب یک جا ہوں گے۔ اس دن کی ہولناکی بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔ اس روز

ہر کسی کو حاضر ہونا ہوگا، نہ کوئی پیچھے رہ سکے گا اور نہ کوئی آنے سے انکار کر پائے گا۔ اس دن کسی کے لیے اختیار و ارادہ نہ ہوگا، ہر کوئی نفسی نفسی پکار رہا ہوگا اور نجات کا متمنی ہوگا۔ عرفات میں دنیا کے ہر علاقے کے مسلمان آتے ہیں، جب کہ روزِ حشر آدمؑ سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک کے انسان اکٹھے ہوں گے۔ میدانِ عرفات میں جہنّم کی آگ سے آزادی کے لیے دعائیں ہوتی ہیں تو حاجیوں کو مغفرت سے نوازا جاتا ہے۔ ایسے ہی میدانِ حشر میں گنہگار اہلِ ایمان کو نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنّم کی آگ سے نجات ملے گی۔ ''اس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو''۔ (الشعراء ۲۶:۸۸-۸۹)

قلبِ سلیم وہ ہے جو شرک و گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہو، جو بدعت سے محفوظ اور سنت پر مطمئن ہو، جو لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو۔ ایسے لوگ روزِ قیامت خوف سے امن میں ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے: ''لا الٰہ الا اللہ والوں پر نہ ان کی قبروں میں کوئی وحشت ہوگی، نہ حشر میں۔ مَیں گویا لا الٰہ الا اللہ والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے اس نے ہم سے پریشانی دُور کر دی''۔ (طبرانی)

● **میدانِ عرفات اور میدانِ حشر میں شیطان کی حالتِ زار:** حضور اکرمؐ فرماتے ہیں: ''اللہ رحیم ہے، سخی و کریم ہے، اسے اپنے بندے سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے سامنے ہاتھ اُٹھائے اور پھر اللہ اس کے ہاتھوں میں خیر نہ ڈالے'' (الحاکم)۔ چنانچہ اللہ حاجیوں کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا۔ شیطان اس موقع پر ذلیل و رُسوا ہوتا ہے، بہت سٹپٹاتا ہے، کیونکہ پلک جھپکنے میں اس کی ساری کوششیں اکارت چلی گئیں۔

آپؐ نے فرمایا: ''شیطان یومِ عرفہ سے زیادہ کسی بھی دن ذلیل و حقیر اور افسردہ و غضب ناک نہیں ہوتا، جب وہ اللہ کی رحمت کو اُترتے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرتے دیکھتا ہے'' (موطا)۔ حضورؐ نے عرفہ کے دن کی شام اپنی اُمت کی خاطر مغفرت و رحمت کی بہ کثرت دعا کی تو اللہ کی طرف سے فرمایا گیا: میں نے تمھاری اُمت کو معاف فرما دیا سوائے ان کے جنھوں نے ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کی۔ آپؐ نے عرض کیا: اے پروردگار! تو ظالم کو بخشنے اور مظلوم کو (اس پر ہونے والے ظلم کی وجہ سے) زیادہ اجر و ثواب دینے پر قادر ہے۔ اگلے روز صبح آپؐ مزدلفہ کے

مقام پر اُمت کی خاطر دعا کرتے رہے۔ پھر آپؐ کچھ دیر بعد مسکرائے۔ کسی صحابیؓ نے کہا: آپؐ ایسے وقت مسکرائے جب کہ آپؐ اس موقع پر مسکرایا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا: میں دشمنِ خدا ابلیس پر مسکرایا ہوں، جب اسے معلوم ہوا کہ اللہ نے میری اُمت کے حق میں، میری دعا قبول فرمالی ہے اور ظالم کو بخش دیا ہے، تو وہ تباہی و بربادی مانگنے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مسکرایا ہوں۔ (مسند احمد)

قیامت کے دن شیطان کی حالتِ زار کی منظرکشی رسالت مآب نے یوں فرمائی ہے: سب سے پہلے ابلیس کو جہنمی لباس پہنایا جائے گا۔ ابلیس کی ذُریت اس کے پیچھے ہوگی، وہ سب ہلاکت کو بلا رہے ہوں گے اور موت کو پکار رہے ہوں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا: آج ایک موت کو نہیں، بہت سی موتوں کو پکارو۔ (مسند احمد)

● **رمی جمرات**: حاجی شیطان کو کنکریاں مارنا شروع کرتے ہیں تو ہر حاجی اپنے پروردگار کی کبریائی بیان کر رہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے وجود میں اللہ کی دی ہوئی قوت محسوس کرتا ہے، جس کے سامنے دنیا کی ہر قوت ہیچ ہے۔ اس کے ساتھ ہی حاجی کو اپنی عاجزی، بے بسی اور کمزوری کا بھی احساس ہوتا ہے۔ ہر کنکری پھینکنا گویا شیطان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اس کے خلاف گھات لگانے کا عہد ہے۔ حسد، کھوٹ، تکبر، غرور، مکروفریب، فرقہ بندی واختلاف اور بدعت وگم راہی سے مبرا ہونے کا اظہار ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کنکریاں مارنے سے تمھارا مقصد یہ ہو کہ اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہونا ہے، اسی کے لیے غلامی کا اظہار کرتے ہوئے اور محض تعمیلِ ارشاد کو غنیمت سمجھتے ہوئے، اس میں عقل ونفس کا کوئی دخل نہ ہو۔ پھر تم ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرو، جب اس مقام پر ابلیس لعین ان کے سامنے آیا تاکہ وہ آپ کے حج پر کوئی شبہہ وارد کرے یا نافرمانی کے ذریعے انھیں آزمایش میں ڈالے، تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ شیطان کو دھتکاریں اور اس کی اُمید کو کاٹنے کے لیے اسے پتھر ماریں۔ حاجی ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ نفس وخواہش کے شیطان پر بھی رجم کرتا ہے اور اسے یاد آتا ہے کہ شیطان نے اس کے باپ آدمؑ اور اس کی ماں حواؑ کے ساتھ کیا کیا تھا اور کس طرح نسلِ آدمؑ کو بھٹکانے کی دھمکی دی تھی۔ حاجی سوچتا ہے کہ شیطان کے ساتھ اس کا معرکہ جاری ہے اور دشمنی اب تک قائم ہے۔

● **رمی جمرات کا تقاضا اور شیطانی ہتھکنڈے**: حج کے مناسک مکمل کرنے کے بعد حاجی جب گھر پہنچے گا تو ازسرِنو، دشمن کے ساتھ مقابلہ شروع ہوگا۔ لہٰذا حاجی کے لیے لازمی ٹھیرا کہ وہ اپنے اس ازلی دشمن کی ظاہری و باطنی مداخلت گاہوں سے آگاہ ہوتا کہ مناسب اسلحہ اور تحفظ و دفاع کا انتظام کرسکے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اپنا جائزہ لے کر دیکھے کہ شیطان اس پر کہاں سے وار کرسکتا ہے؟ اس لیے کہ شیطان ہر انسان پر حملہ کرنے کے لیے اپنا موزوں طریقہ اپناتا ہے۔ وہ زاہد پر زُہد کے طریقے سے، عالم پر علم کے دروازے سے، اور جاہل پر جہالت کے راستے سے وار کرتا ہے اور یوں اپنے ہدف تک پہنچ جاتا ہے۔ شیطان کے چند ہتھکنڈے یہ ہیں:

○ **مسلمانوں کے مابین تنازعہ اور بدگمانی**: شیطان مسلمانوں کے مابین لڑائی جھگڑے اور فتنے پیدا کرتا ہے۔ وہ بدگمانی پھیلا کر بُغض، نفرت اور اختلاف پیدا کرتا ہے۔

○ **بدعت کو خوش نما بنانا**: وہ 'جدید عبادت' کے نام پر مسلمانوں کو اُکساتا ہے۔

○ **تاخیر**: وہ سنجیدہ اور بامقصد کام کرنے والوں کو تاخیر پر آمادہ کرتا ہے۔ نیکی کرنے والوں کو کہتا ہے کہ بعد میں کرلینا۔ وہ سستی، کاہلی اور تاخیر پر اُکساتا رہتا ہے۔

○ **تکبر و غرور**: یہ شیطان کی اپنی بیماری ہے جس کی وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا۔

○ **تشکیک**: شیطان نیکی کرنے والوں کو شک میں مبتلا کردیتا ہے تاکہ وہ نیکی ترک کردیں۔

○ **ڈرانا**: شیطان اہلِ ایمان کو اپنے لشکروں، پیروکاروں اور ساتھیوں سے ڈراتا رہتا ہے۔ وہ صدقہ خیرات کرنے والوں کو ڈراتا ہے کہ تم نادار ہوجاؤ گے۔

○ **باطل کو خوش نما بنانا**: شیطان اس جال میں اولادِ آدم کو خواہشات کی پیروی سے پھانستا ہے۔

○ **نظربازی**: آپؐ نے فرمایا: نظر ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے اسے اللہ کے خوف سے چھوڑا، اللہ اسے ایمان عطا فرمائے گا، جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔ (الحاکم)

● **شیطان کا طریقِ واردات**: علامہ ابن القیمؒ نے شیطان کے بہکاوے کے چھے تدریجی مراحل یوں بیان کیے ہیں: شیطان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان کفر اور شرک کرے۔

اگر شکار مسلمان ہو تو پھر شیطان دوسرا مرحلہ اختیار کرتا ہے کہ وہ بدعت پر کاربند ہو جائے، اور اگر مسلمان سنت پر سختی سے قائم ہو تو شیطان اسے کبیرہ گناہوں پر اُکساتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اس سے بھی بچالے تو شیطان مایوس نہیں ہوتا۔ اب وہ اسے چھوٹے گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر وہ چوتھے مرحلے میں بھی اس کا شکار نہ بنے تو شیطان انسان کو، زیادہ تر مباح کاموں میں مشغول رہنے پر اُکساتا ہے، تاکہ وہ اہم اور سنجیدہ کاموں کو نظرانداز کردے۔ چھٹا مرحلہ یہ ہے کہ وہ انسان کو افضل کے بجائے غیر افضل کام میں مشغول کردے، مثلاً وہ سنت کا تو اہتمام خوب کرے مگر فرض کو نظرانداز کردے۔ نفلی نماز تو پابندی سے پڑھے مگر فرض نماز ترک کردے۔

علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا: ہر عقل مند جانتا ہے کہ انسان پر شیطان تین جہتوں سے حملہ کرتا ہے: ○ اسراف و زیادتی: انسان کو زائد از ضرورت سہولیات حاصل کرنے پر اُبھارتا ہے۔ اس کا توڑ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مطلوب سہولیات مکمل طور پر فراہم کرنے سے بچے۔ وہ غذا، نیند، لذت یا راحت، ہر ایک سہولت سے ضرورت کے مطابق ہی فائدہ اُٹھائے۔ شہوات و ممنوعات سے دُور رہے۔ یوں وہ دشمن کی مداخلت سے محفوظ ہو جائے گا۔ ○ غفلت: اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے والا گویا قلعہ بند ہو جاتا ہے۔ جب انسان ذکر سے غفلت برتتا ہے تو قلعے کا دروازہ کھل جاتا ہے، دشمن اندر آجاتا ہے۔ ○ لایعنی اُمور میں مشغولیت: شیطان انسان کو لایعنی معاملات میں گھسیٹنے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا انسان کو تمام فضول و غیر متعلّق اُمور سے الگ تھلگ رہنا چاہیے۔

● **شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے مومن کے ہتھیار**: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شیطان فرزندِ آدم میں خون کی مانند دوڑتا ہے (مسلم)۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت پڑھا کرتے تھے: ''اے دلوں کے پھیرنے والے، میرے دل کو اپنے دین اور طاعت پر ثابت و برقرار رکھ'' (مسند احمد)۔ مومن کو شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے درج ذیل ہتھیار استعمال میں لانے چاہییں تاکہ اس کے شر و وسوسے سے امان میں رہے: ○ اللہ پر ایمان و توکّل ○ صحیح مآخذ سے شرعی علم حاصل کرنا ○ اخلاص ○ اللہ کی پناہ میں آنا ○ مجاہدۂ نفس (یعنی رغبت، خوف، خواہش اور غصّے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنا) ○ استغفار ○ باوضو رہنا ○ ذکر ○ معوذتین (قرآنِ کریم کی آخری دونوں سورتیں) اور آیت الکرسی پڑھنا۔

حج کے فوائد و ثمرات

حجاج کرام، صرف اللہ کی عبادت کی خاطر، مقدس سرزمین میں آتے ہیں۔ ان کا مقصدِ وحید طلبِ رضاے الٰہی ہوتا ہے۔ وہاں جانے میں، ان کی کسی نفسانی خواہش کا ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ وہ زبانِ حال سے شیطان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اے ملعون، اگر تو نے اپنے خالق و پروردگار کی عبادت سے تکبر کیا تو دیکھ، ہم سب اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔ اگر تو نے اس کی نافرمانی کی تو ہم سب اس کے فرماں بردار اور عبادت گزار ہیں۔ حج کے موقع پر ان کے احساسات یہ ہیں کہ حاکم و محکوم، چھوٹے بڑے، مال دار و مفلس، سیاہ و سفید اور عربی و عجمی کے مابین کوئی فرق نہیں۔ گھر تیرا ہے، اقتدار تیرا ہے کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں، تقویٰ ہی واحد معیارِ فضیلت ہے۔ حجاج کرام میں یہ احساس پیدا ہونا، حج کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ ان پر عملی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے تمام انسانوں کو کنگھی کے دندانوں کی مانند برابر ٹھیرایا ہے۔ مختلف شکلوں، رنگوں، قومیتوں اور علاقوں کے اختلاف کے باوجود، کسی کے لیے کوئی امتیاز نہیں۔ رب کی نظر میں سب یکساں ہیں۔

حج مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر اور ان کی سالانہ کانفرنس ہے۔ حج مسلمانوں کے سیاست کاروں کے اتحاد اور علما کے اتفاق کا موقع، علم اور تعلیم دین کے فروغ کا ذریعہ، بھلائیوں کا موسم اور دنیا و آخرت کے منافع ملنے کا مقام ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حج میں نئی اسلامی ریاست کا عادلانہ دستور پیش فرمایا، جب کہ آپؐ کے خلفاے راشدینؓ حج کو اپنے صوبوں اور شہروں کے حالات سے باخبر رہنے کا ایک سنہری موقع سمجھتے تھے۔ مظلوموں کی دادرسی کی جاتی۔ غلط کار سرکاری افسروں ـــــ خواہ وہ گورنر ہوں یا عام کارندے ـــــ کی سرزنش کی جاتی۔

اسی سرزمین میں علم و تعلّم کا حکم نازل ہوا۔ اسی میں علما کی اہمیّت و برتری بیان ہوئی۔ چنانچہ حج کے موقع پر حاجیوں میں قرآن کریم کے نسخے اور مفید شرعی کتب تقسیم کی جاتی ہیں، نیز حُرمین شریفین کے مختلف کتب خانے کتابیں فروخت کر کے علم کو عام کرتے ہیں۔ حج دنیا بھر سے آنے والے اہلِ علم کے ملنے کا سنگم ہے جہاں وہ باہم استفادہ کر سکتے ہیں، نئے پیش آمدہ حالات کے بارے میں اپنی راے ظاہر کر سکتے ہیں اور دوسروں کی آرا سے واقف ہو سکتے ہیں۔ نیز حجاج علماے کرام سے سوالات کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اہلِ علم اس موقع پر باہم متعارف ہو کر

بعد میں رابطوں کے جدید ذرائع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مستقل بنیادوں پر ایک دوسرے سے علمی استفادہ کرسکتے ہیں اور یوں اپنے علم میں مسلسل اضافہ کرسکتے ہیں۔

اپنے اپنے علاقائی و مقامی لباس ترک کر کے احرام جیسے ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک مقام پر ایک جیسی عبادت کرنے والے اور اپنی اپنی زبانوں میں عہدو پیمان باندھنے کے بجاے عربی زبان میں لبیك اللھم لبیك...... بآواز بلند پکارنے والے دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان، اپنے آپ میں حج کی بدولت یک جہتی و یک رنگی کا احساس پاتے ہیں۔ اس سے وحدتِ اسلامی میں استحکام اور پختگی آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب ہی حاجی اپنے آپ کو ایک ہی بدن کے اعضا کی مانند سمجھتے ہیں۔ کاش کہ یہی احساسِ وحدت مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، عسکری اور سیاسی وحدت میں بدل جائے اور مسلمانانِ عالم اس وحدت کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں۔

حج ایک لحاظ سے ایک سیاسی سالانہ کانفرنس بھی ہے کہ اس کی بدولت دنیا کے تمام مسلم زعما و قائدین کو مل بیٹھنے، باہم متعارف ہونے اور اپنی اپنی قوموں کے مسائل کا تذکرہ کرنے، ان کا حل پیش کرنے اور مسلم ممالک کے حالات جاننے کا موقع مل سکتا ہے۔

حج نفوسِ انسانی کی تہذیب و تربیت کا ایک عالمی مدرسہ ہے، اس لیے کہ عزمِ حج کرنے کے ساتھ ہی حاجی کی تربیت شروع ہوجاتی ہے۔ اسے اپنے نفس کو مؤدب و مہذب بنانے کا زریں وقت ملتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو تقویٰ کے راستے پر ڈال سکتا ہے۔ حاجی اپنے آپ کو بخل و کنجوسی کی مذموم صفت اور مال کی حرص سے پاک کرلیتا ہے، کیونکہ وہ حج کے سلسلے میں کافی بڑی رقم بطیبِ خاطر خرچ کرتا ہے۔ اپنے گھربار، عزیز و اقارب اور وطن عزیز سے دُور رہنے اور سفر کی مشقت اُٹھانے میں حاجی کی قوتِ ارادہ اور صبر و برداشت کی تربیت ہے۔ اپنے حاجی بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ مل کر حج کرنے میں ایثار و قربانی، مساوات و برابری اور 'انانیت' کی نفی کی تربیت ہے۔ اس سے تکبر و غرور کا خاتمہ اور صرف اللہ کے لیے عبودیت کی تربیت ہوتی ہے۔ اس احساس کو تقویت ملتی ہے کہ وہ دنیا کی ایک بہت بڑی قوم کا ایک فرد اور عظیم الشان برادری کا رکن ہے۔ سب حاجیوں کو وحدت و یک جہتی کا احساس اور ایک ایسی بہترین اُمت سے نسبت کا شرف حاصل ہوتا ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے برپا کی گئی ہے۔ (ہفت روزہ الجمتمع، کویت، شمارہ نمبر ۱۷۷۹، ۱۷۸۰)

میدانِ عرفات کا پیام ـــ کونوا انصار اللّٰہ

افشاں نوید

ایک عورت کے نقوشِ پا جس پر انسانیت کے قافلے شرف کے ساتھ دوڑ رہے ہیں، اور جب تک دنیا قائم ہے 'سعی' کا یہ عمل جاری وساری رہے گا۔ لبیك اللھم لبیك کی صداؤں کے ساتھ لوگ دیوانہ وار لپک رہے ہیں، منزلِ مراد پا رہے ہیں، طواف کے بعد صفا اور مروہ کی سعی کر رہے ہیں، اور اس واقعے کی یاد تازہ کر رہے ہیں جب حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ محترمہ حضرت ہاجرہؓ اپنے ننھے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں۔ پیروں کی وہ دھول کیسی معتبر ٹھیری، مشقت کی وہ ادا کیسی پسند آئی، کیسا اکرام دیا رب نے ان نسوانی قدموں کے نشانات کو کہ اُمت کے مرد بھی کروڑوں کی تعداد میں ان نقوش پا پر دوڑ چکے ہیں کہ دوڑنے کی وہ ادا تو محبُوبِ رب ٹھیری۔

آخر ایسا کیا تھا اس ادا میں جو قبولیت کی اس معراج کو پہنچی کہ شرفِ انسانیت قرار پائی، کمالِ نسوانیت قرار پائی۔ ایک عورت کی وہ قربانی جس نے صدیوں کو نور بخشا ہوا ہے، منور کیا ہوا ہے، ان قدموں کی وہ تابناکی، وہ ضوفشانی کہ انسانیت راہِ راست پر رہے گی جب تک ان قدموں کے نشانات اور اسی جذبے کو سنگِ میل بنائے رکھے گی۔ صدیوں کی گرد جھاڑیے ـــ چشمِ تصور کو ماضی کے ان لمحوں میں وا کیجیے اور دیکھیے کہ حضرت ابراہیمؑ جو خلیل اللہ ہیں، مسلم حنیف ہیں ـــ اب تک کی ہر آزمایش میں پورا اُتر چکے ہیں، عشق سے بڑھ کر فدائیت کی منزلوں میں ہیں ـــ حکمِ ربی ہوتا ہے کہ اپنی اہلیہ اور صاحب زادے اسماعیلؑ کو مکہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں لے جا کر چھوڑ دیں۔ حکم ربی کی تعمیل فرماتے ہیں۔ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو اس غیر آباد اور

بنجر سرزمین میں چھوڑ کر چلے آتے ہیں۔ نہ آدم، نہ آدم زاد، نہ سبزہ نہ پانی، نہ دُور تک کسی چرند پرند کا نام ونشان ـــــ ایسا ویران ایسا سنسان جنگل جہاں سانسوں کی بھی آہٹ محسوس ہوتی ہو۔ نومولود اور اس کی ماں اس ویرانے کو آباد کرنے آئے ہیں۔ امکانات اور نتائج پر نظر رکھنے والے تو سر جھٹک کر اسے دیوانے کی بڑ ہی کہیں گے۔ ناممکن العمل اور ناقابلِ یقین ہی گردانیں گے، مگر یہاں تو تاریخ کا ایک نیا باب رقم ہونے جا رہا ہے۔ عزیمتوں کی ناقابلِ تصور داستان کا ایک سنہرا باب!

حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کے لیے توشہ بھی کیا ہے؟ ملاحظہ کیجیے: چمڑے کا تھیلا کھجوروں سے بھرا، اور ایک چھوٹا سا پانی کا مشکیزہ ـــــ حضرت ہاجرہؓ کے حوالے کر کے حضرت ابراہیمؑ پلٹ جاتے ہیں۔ اب کیا ہونا ہے؟ آگے کیا کرنا ہے؟ مستقبل کی صورت گری کیا ہوگی؟ آگے کے منصوبے کیا ہیں؟ اس ویرانے میں ان دو کمزور جانوں کا تیسرا پُرسانِ حال کون ہوگا؟ ایک نسوانی ذات کے ساتھ یوں بھی لاکھ تحفظات ہوتے ہیں ـــــ کون چھوڑتا ہے یوں محبت کرنے والی بیوی اور نورالعین کو ـــــ اگر کوئی جنگلی درندہ ہی آنکلا تو کیا ہوگا؟ اندیشے ہیں، وسوسے ہیں، خطرات ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو جو جاتے دیکھا تو حضرت ہاجرہؓ پیچھے لپکیں۔ کب آئیں گے واپس؟ آگے کیا ہوگا؟ محبوب بیوی پکار رہی ہے، روک رہی ہے کہ سوالوں کے جواب تو دے کر جائیں لیکن ابراہیمؑ رُک جاتے تو تاریخ ٹھیر جاتی ـــــ زمان ومکان کی گردش رُک جاتی کہ تاریخ کو تو تیزی سے بغیر رکاوٹ کے اپنا یہ باب رقم کرنا تھا۔ عشق وفدائیت کی یہ لازوال داستان اُدھوری رہ جاتی۔ اگر ابراہیم پلٹ کر دیکھ لیتے تو شفقتِ پدری غالب آجاتی یا حضرت ہاجرہؓ کی بے چارگی پیروں کی زنجیر بن جاتی۔ اس لیے صدائیں سماعتوں سے ٹکراتی رہیں اور حضرت ابراہیمؑ نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ یارا ہی نہ تھا دیکھنے کا! آخر ایک رقیق القلب دل کے مالک تھے ـــــ وہ قلب جس کی مدح سرائی خود قرآن کرتا ہے، وہ شخصیت جس کا ذکر رب اس محبت سے کرتا ہے کہ خود لفظ 'محبت' معتبر ہوجاتا ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے کسی صدا پر کان ہی نہ دھرا تو حضرت ہاجرہؓ ایک سوال کرتی ہیں۔ وہ سوال جس سے گردشِ افلاک لمحہ بھر کو ٹھیرسی جاتی ہے۔ بس وہ سوال ہی انسانیت کی تاریخ کا بنیادی سوال تھا ـــــ اور اسی سوال کے جواب میں انسانیت کی فلاحِ کل بھی مضمر تھی اور آج بھی

مضمر ہے۔ اسی سوال کے جواب میں تو پیغمبر بھیجے گئے ___ شریعتیں اُتاری گئیں ___ وہ سوال جو یکا یک حضرت ہاجرہؓ کے پریشان حال، غمگین دل میں روشنی بن کر پیدا ہوا کہ ''کیا اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟'' اب اسی سوال کے جواب پر باقی ماندہ منصوبۂ رب تشکیل پانا تھا۔ تیز تیز چلتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے بن پلٹے اس سوال کا یک لفظی جواب دیا اور لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئے اور حضرت ابراہیمؑ کا وہ جواب تھا: 'ہاں'۔ اس جواب نے خوف، وحشت، یاس کے سب سایے نگل لیے۔ ڈولتے وجود کو لمحوں میں قرار آ گیا۔ تپتے ریگستان کو رحمتوں کی بدلیوں نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اُمید اور آرزو نے ان نسوانی مُردہ قدموں میں جان ڈال دی۔ کیسا یقین ___ بن دیکھے رب پر لازوال ایمان!

ایقان کی وہ دولت جس نے تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا جواب سن کر حضرت ہاجرہؓ بے اختیار بول اُٹھتی ہیں: ''پھر اللہ ہمیں ہلاک نہیں کرے گا''۔ پھر پلٹ کر بھی حضرت ابراہیمؑ کی سمت نہ دیکھا کہ اصلی وارث اور ولی جب اپنے حصار میں لے لے تو دنیاوی سہاروں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ کیسا روشن ہوگیا تھا وہ سینہ لمحہ بھر میں ایمان سے۔ بس وہ ایک لمحہ ہی ہوتا ہے، معرفت کا لمحہ جو جادوگرانِ فرعون کو بھی رب سے آشنا کر گیا تھا، تاریخ میں امر کر گیا۔ انسانیت نے لمحہ بھر میں صدیوں کا سفر طے کرلیا اور انسانیت کو ایک درس مل گیا کہ رب کی رضا کے راہی کبھی ہلاکتوں سے دوچار نہیں ہوتے، کبھی بے راہ نہیں ہوتے، کبھی مادی پیمانوں سے سود وزیاں کا حساب کر کے اپنی منزل کھوٹی نہیں کرتے۔ بس دل کو رب کے حوالے کر کے جب منزل کو نظروں میں بسا لیتے ہیں تو 'زم زم' جاری ہوجایا کرتا ہے۔ صدیوں کی تاریخ سے چھنتی ایقان کی وہ روشنی آج بھی مشامِ جاں کو معطر کرنے کا سبب ہے۔

جب حضرت ہاجرہؓ 'ہاں' کا جواب پا کر پلٹ گئیں تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی ایک گونہ قرار آ گیا۔ پھر پہاڑی شینہ پر پہنچے۔ بیوی، بچہ نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ آسمان کی جانب دیکھا اور دل گرفتہ کھول کر رب کے سامنے رکھ دیا: ''اے پروردگار، میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے'' (ابراہیم ۱۴:۳۷)۔

حضرت ہاجرہؓ نونہال کو چھاتی سے لگا کر دودھ پلاتی ہیں اور خود قلبِ مطمئنہ کے ساتھ

مشک سے پانی پیتی ہیں۔ بے آب و گیاہ وادی، مکہ کی گرمی، مشکیزہ کب تک ساتھ دیتا؟ پانی بالآخر ختم ہوگیا۔ دھوپ کی تمازت، تنہائی، ننھی جان کا ساتھ، لیکن پاے استقلال میں کوئی لغزش نہیں۔ زبان پر کوئی شکوہ نہیں، کوئی بدگمانی نہیں۔ دل اس یقین سے شاداں و فرحاں ہے کہ رب کی رضا کا سفر ہے۔ ہر صعوبت ایک سعادت ہے یہاں۔ لیکن جسمانی تقاضوں سے کہاں مفر ہے؟ ننھے اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں، خود بھی حلق میں کانٹے پڑ چکے ہیں۔ معجزوں کے انتظار سے کب منزلیں ملا کرتی ہیں؟ سب توانائیاں اکٹھی کر کے پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ سامنے موجود پہاڑی صفا پر چڑھ جاتی ہیں۔ دُور دُور تک دیکھتی ہیں۔ اس بے آب و گیاہ میں تو سراب ہی سراب ہے۔ پہاڑی سے اُتریں، کُرتا سمیٹ کر نالے کے نشیب و فراز میں دوڑیں ـــــ جیسے کوئی آفت رسیدہ دوڑتا ہے۔ انھیں کیا علم تھا کہ حالتِ اضطرار میں اُٹھا ہوا ان کا یہ ایک ایک قدم تاریخ کے ماتھے کا جھومر بنے گا۔ رب کو کتنے محبُوب تھے اپنی راہ میں اُٹھے ہوئے یہ قدم۔ تب نالے کو پار کر کے مروہ کی پہاڑی پر چڑھیں اور بلندی پر پہنچ کر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید آبِ حیات کا کوئی سراغ پالیں۔ اب پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان بے چارگی سے دوڑ رہی ہیں، سماعتوں سے ننھے اسماعیلؑ کے رونے کی آوازیں ٹکرا رہی ہیں۔ حالتِ اضطراب میں سات چکر لگا لیتی ہیں، جب کہ دل اس سے مناجات میں مصروف ہے جو کہ مسبب الاسباب ہے۔ اصل میں تو تلاش اسی کی تھی۔ جستجو کا سفر اسی کی معرفت کے حصول کے لیے تھا۔ تب ایک آواز سنتی ہیں مروہ کی بلندی پر ـــــ عشق اپنے امتحان میں پورا اُترا۔ حضرت ہاجرہؓ ہی سرخرو نہیں ہوئیں حضرت ابراہیمؑ کے خلیل اللہ ہونے کی لاج بھی رکھ لی اپنی استقامت سے۔

فرشتہ نمودار ہوا۔ اپنی ایڑی زمین پر ماری اور صرف حضرت ہاجرہؓ اور نومولود ہی کے لیے نہیں، رہتی دنیا کے لیے آبِ حیات جاری ہوگیا۔ ہاتھوں سے جلدی جلدی حوض بنانے لگیں، ساتھ ساتھ چلّو بھر بھر کر مشک میں ڈالنے لگیں۔ کتنا معتبر ہوگیا تھا پانی ان کے ہاتھوں کا لمس پاکر ـــــ ایسا اکرام ملا تھا پانی کو کہ خوب جوش مار رہا تھا۔ حضرت ہاجرہؓ پانی محفوظ بھی کر رہی تھیں اور اس کو حکم بھی کر رہی تھیں کہ ''زم زم، ٹھیر جا، ٹھیر جا'' ـــــ خوب سیر ہوگئیں رحمتِ رب کو پا کر۔ فرشتے نے امر کر دیا ان لمحوں کو جب کہا کہ ''اپنی جان کا خوف نہ کرو، یہاں ایک گھر بنے گا جو یہ بچہ

اور اس کا باپ مل کر بنائیں گے۔ اللہ اپنے بندوں کو تباہ کرنے والا نہیں ہے''۔(بخاری)

روایات میں ہے کہ اس وقت بیت اللہ کی جگہ زمین سے اُونچا ایک ٹیلہ تھا۔ اس بے آب و گیاہ وادی میں جب پانی دیکھا تو پرندے بھی آ بسے اور پرندوں کے قافلوں کے ساتھ انسانوں کی آبادی بھی شروع ہوگئی۔ حضرت ہاجرہؓ کی سعی مقبول ٹھیری، معتبر ٹھیری۔ شوہر کی جدائی برداشت کی مگر حضرت اسماعیلؑ کی تربیت میں کوئی کمی نہ آنے دی، اور ان کی پرورش کر کے اُمت کو قیادت فراہم کی۔ عورتوں کو نسوانیت پر فخر کرنا سکھایا۔ رہتی دنیا تک کے انسانوں کو زم زم کے تحفے سے فیض یاب کیا، جس کی ہر بوند میں ان کی فدائیت اور عظمت کی خاموش سرگوشیاں ہیں۔

صرف ایک 'سعی' ہی نہیں، حج کے ہر عمل کو دیکھ لیجیے، تمام اعمال عاشقانہ ہیں اور بے تابانہ ہیں ___ لبیک لبیک کا شور ہو یا کعبہ کا والہانہ طواف، حجر اسود کو چومنا ہو یا صفا مروہ کی پُرجوش سعی۔ پسندیدہ بھی وہ ٹھیرا جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، جسم غبار میں اَٹا ہوا ہو کہ یہاں ہر ادا عشق کی ادا ہے۔ ایک گونہ بے خودی ہے، خود کو کھو کر کچھ پانے کی آرزو ہے۔ اور مطالبہ یہ کہ پورے دل اور دماغ کی حاضری کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی طرح مطلق عبدیت کا اعلان درکار ہے کہ: ''کہو، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا مَیں ہوں''۔(الانعام ۶:۱۶۲-۱۶۳)

حج کے افعال میں کوئی بحث و تمحیص اور فائدے کی بحث کی اجازت نہیں کہ اس عمل کا کیا فائدہ ہے؟ بس عبدیت کی شان بلاچوں و چرا اطاعت ___ جس کی مثالیں وہاں کی زمین کے ہر ذرّے پر بکھری پڑی ہیں اور جس میں دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے واضح سبق ہیں کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے مرد تو کیا اس اُمت کی عورتوں نے بھی کسی خطرے کی پروا نہ کی۔ ایک عورت کے لیے تنہا بیابان صحرا، ایک ننھا شیر خوار وجود ___ کیا کیا خطرات نہ تھے لیکن اللہ کے دین کی سربلندی ہر خطرے پر غالب رہی۔ حضرت ہاجرہؓ کے اسوے سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ حاجات و ضروریات سب ایک ہستی سے وابستہ کرلی جائیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسباب ظاہری پر بھروسا انسان کی مومنانہ شان کے خلاف ہے۔ حضرت ہاجرہؓ کی طرح آج بھی ہر سعی مشکور اور ہر دعا مقبول

ہو سکتی ہے، اگر مسبب الاسباب کا حکم ہو تو ___ کیا سعی کا یہ عمل، صفا و مروہ کے بیچ ریت کے وہ ذرّے جو حضرت ہاجرہؑ کے جذبۂ فدائیت سے مشک بار ہیں، حجاج کرام سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ فروغِ دین کے لیے اپنی محبوب ترین چیزوں کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔ بیوی بچوں کی زندگیاں بھی عبدیت کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔ ہجرت بھی کرنا پڑے، غریب الدیاری سے بھی سابقہ درپیش ہو تو بھوک اور پیاس کا خوف جدوجہد کے راستے میں مزاحم نہ ہو۔ پتھروں کے دور میں جانے کا خوف قومی حمیت کو نیلام کرنے کا سبب نہ بنے کہ رزق کے خزانوں کی کنجیاں اس کے پاس ہیں جو بے آب و گیاہ وادی میں 'زم زم' جاری کرنے پر کل بھی قادر تھا اور آج بھی ہے۔ اسباب کی کوششیں ضرور ہوں مگر ہم اسباب کے غلام نہ ہوں۔ غیر متزلزل اعتماد اس ذات پر ہو جس نے حضرت ہاجرہؑ و اسماعیلؑ کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ان سے ایک ایسی نسل چلائی جس نے اُمت مسلمہ کو سرفرازی عطا کی۔

یہ 'سفرِ عشق' ایک انقلاب کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر شعوری طور پر اس سفر کے مراحل اور افعال انجام دیے جائیں تو لاکھوں حجاج کرام، اُمت مسلمہ کے جاں باز سپاہی کے روپ میں سامنے آئیں جو دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا عزم میدانِ عرفات سے لے کر پلٹیں کہ خانہ کعبہ سے، مسجد نبویؐ سے، منٰی سے، عرفات سے، زم زم کے قطروں سے اور خاکِ حرم سے ایک ہی صدا آتی ہے اور وہ صدا ہے ___ کونوا انصار اللّٰہ، کون ہے اللّٰہ کا مددگار؟

مضمون نگار ناظمہ حلقۂ خواتین صوبہ سندھ ہیں

مدیرانِ رسائل و جرائد کی توجہ کے لیے

عالمی ترجمان القرآن روزِ اول سے ایک مشن کا علَم بردار ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ رسالے کی ہر تحریر زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں۔ پاکستان اور بھارت کے رسائل ہمارے شائع شدہ مضامین شائع کرتے ہیں۔ ہم ان کے شکرگزار ہیں (وہ شکریے کے ساتھ کریں یا بغیر شکریہ کریں)۔ بس اتنی درخواست ہے کہ ہم سے ای میل پر متن طلب کریں، ان کو سہولت ہوگی، ہم کو صحتِ متن کا اطمینان ہوگا۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزا۔

داعیاتِ الی اللہ اور عصری تقاضے

شگفتہ عمر

مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ ایک مسلم اور مسلمہ تمام عالم انسانی کے سامنے خدا کے دین کے داعی ہیں۔ سچّا داعی وہ ہے جو لوگوں کو بلاتخصیص مذہب، رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کے اللہ کی طرف دعوت دے اور اس کارِ خیر میں مدعو کی خیرخواہی اور بھلائی کی چاہت میں لوگوں کی بھلائی کا حریص بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ داعی کے لیے قرآن میں ناصح، خیرخواہ اور امین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ داعی اور داعیہ دو احساسات کے تحت یہ فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اول: انھیں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ خدا کے دین کے امانت دار ہیں اور اس امانت کی ادایگی کے حوالے سے احساسِ ذمہ داری اور احساسِ جواب دہی سے لرزاں رہتے ہیں۔ دوم: انسانوں کے ساتھ خیرخواہی کا جذبہ ان کو مجبور کرتا ہے کہ تمام مخالفتوں کو سہتے ہوئے اور تمام مشکلات کو انگیز کرتے ہوئے وہ مدعو کو اللہ کی رحمتوں کے سایے میں لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ دعوت کو قرآن میں انذار اور تبشیر (ڈرانا اور خوش خبری دینا) کہا گیا ہے جو درحقیقت خود اللہ رب العالمین کا کام ہے، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا کہ یہ کام کسی معجزاتی اسلوب میں انجام نہ پائے بلکہ امتحان کے نقطۂ نظر سے انسانوں کے درمیان اُس کے پیغام کی پیغام رسانی خود انسان انجام دے۔ اس مشیت الٰہی نے انسان کے لیے عظیم ترین عمل کا دروازہ کھول دیا۔

ایک بندے کا مقام اللہ کی بندگی کرنا ہے۔ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج و عمرہ کی ادایگی کے ذریعے، اخلاقی صفات کا مظاہرہ کرنے کے ذریعے، بندوں سے اپنے معاملات ہدایت ربانی کی روشنی میں طے کرنے کے ذریعے، خدا کے آگے اپنی عبودیت، بندگی اور عجز کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔

لیکن جب وہ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کا اعزاز یہ ہوتا ہے کہ وہ انصارُ اللہ (اللہ کا مددگار) کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (الصف ۶۱:۱۴)، مومنو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ جیسے عیسٰیؑ ابن مریمؑ نے حواریوں سے کہا کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ایک عاجز بندے کے لیے اس سے زیادہ معزز اور پُرکیف تجربہ کوئی اور نہیں کہ وہ یہ محسوس کرے کہ میں اپنے رب کے کام میں مصروف، اس کے ایک منصوبے کی تکمیل کر رہا ہوں۔ دعوت الی اللہ ایک پیغمبرانہ مشن ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور اس کی تکمیل رسولؐ اللہ کی آمد پر ہوئی۔ اللہ کا دین، اسلام ابتداے آفرینش سے خدا کا دین ہے اور ہر قوم میں ہر نبی کو اللہ نے اسی دین کے ساتھ بھیجا۔ قومیں اللہ کے بھیجے ہوئے دین میں خرابیاں پیدا کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیا کے ذریعے ان خرابیوں کی اصلاح کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کے اس دین کو بالکل صحیح اور تکمیلی صورت میں نازل فرما کر اس کو ہمیشہ کے لیے تبدیلی وتحریف کے خطرے سے محفوظ کر دیا۔ یہ دین جو کسی خاص قوم کا نہیں بلکہ تمام بنی نوع آدم کا دین ہے قرآن وسنت کی شکل میں محفوظ ہے۔ جو اس دین کو تسلیم کرے وہ مسلم ہے اور جو نہ مانے وہ غیر مسلم ہے۔ یہ دین، اسلام نہ تو خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق کرتا ہے، نہ اس کی کسی کتاب کا انکار کرتا ہے اور نہ کسی پر اپنی مطلق فضیلت کا مدعی ہے۔ اس کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ یہ تمام نبیوں کی تعلیم کا قابلِ اعتبار مجموعہ اور ان کی تعلیمات کو مکمل کرنے والا ہے۔

خواتین اور فریضۂ دعوتِ دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہہ ساری دنیا کے لیے خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟ یقیناً آپؐ کے بعد آپؐ کی امت

اس کارِ نبوت کی ذمہ دار ہے۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں براہ راست اس فریضے کو سرانجام دیا۔ آپؐ کے بعد یہ کام بالواسطہ طور پر آپؐ کی امت کے ذریعے انجام پائے گا۔ اس امت کی یہ لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ نسل درنسل ہر زمانے کے لوگوں کے سامنے اس دین کا پیغام پہنچاتی رہے جو آپؐ کو اللہ رب العالمین کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ یہ پیغام قیامت تک کے انسانوں کے لیے راہِ ہدایت ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ قرآنِ حکیم فرقانِ حمید میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حقیقت کی خود نشان دہی فرمائی ہے:

> يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ (المائدہ ۵:۶۷)، اے پیغمبرؐ! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا)۔

بلاشبہہ اللہ رب العالمین نے پیغمبروں کے انتخاب میں مردوں کو ذمہ دار اور مسئول کی حیثیت سے نامزد کیا، لیکن اس پیغمبرانہ مشن کو آگے لے کر چلنے میں کسی صنفی امتیاز کی نشان دہی نہیں کی۔ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فریضے کے ذمہ دار مرد اور خواتین دونوں ہیں:

> اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے، اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی [یا، ابد کے باغوں] میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے)۔ اور اللہ کی رضا مندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ ۹:۷۱-۷۲)

خواتین کو دعوت دین کی ذمہ داری تفویض کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کرتے ہوئے بزبانِ قرآن ارشاد فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا (الاحزاب ۳۳:۳۴)،

''اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو۔ بے شک اللہ باریک بین اور باخبر ہے''۔

آپؐ سے دین کی تعلیمات سننے، انھیں محفوظ کرنے، ان سے احکامات مستنبط کرنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے میں آپؐ کی ازواج مطہراتؓ اور دیگر صحابیاتؓ نے اپنا اہم کردار ادا کیا۔ حضرت عائشہؓ آیاتِ قرآنی کی تفسیر کرتیں اور احادیث مبارکہ سے احکامات اخذ فرماتی تھیں۔ جلیل القدر صحابہؓ ان کی محفلِ درس میں شامل ہوتے تھے اور اپنے مابین اختلاف رائے کی صورت میں انھیں حَکم اور اُن کی رائے کو فیصلہ کن سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے ۲ہزار ۲سو ۱۰، حضرت اُم سلمہؓ سے ۳۷۸ اور دیگر صحابیات سے بھی بہت سی احادیث مروی ہیں۔ بعد کے اَدوار میں بھی خواتین قرآن اور حدیث کے علم کے حصول اور تحصیل میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ داعی دین اور داعیاتِ دین دونوں کو یہ فریضہ سرانجام دینا ہے۔

داعیات دین کی ذمہ داریاں

داعیاتِ دین کو دعوت الی اللہ میں ان تمام اصولوں، ترجیحات اور لائحہ عمل کو ملحوظ رکھنا ہوگا جو انبیاے کرامؑ کی دعوت کا حصّہ ہیں۔ نیز ان تمام علمی اور عملی اغلاط سے بچنے کا شعوری طور پر اہتمام کرنا ہوگا جس میں ہمارے مبلغین اور واعظین اکثر اوقات مبتلا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں دین کا مفہُوم ادھورا اور دین کی تبلیغ کا مفہُوم بھی محدود ہے۔

تصورِ دین کا فہم و ادراک

ایک داعیہ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو دین کا مکمل اور جامع تصور فراہم کرے۔ اسلام کی بطور نظام حیات اور بطور نظام زندگی کی پہچان کرائے، کیونکہ دین اپنی تکمیلی شکل میں نازل ہو چکا۔ حکم ربّانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵:۳)، (اور) آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

دین کے جامع تصور میں زندگی کے تمام دائروں میں اسلام پر عمل درآمد کا مطالبہ ہے۔ اسلام کو بطور روحانی نظام، بطور عائلی و معاشرتی نظام، قانونی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام اور بین الاقوامی نظام سمجھنا اور سمجھانا ایک داعیہ کی اہم ذمہ داری ہے۔ چنانچہ ایک داعیہ کو اپنے مخاطبین دعوت کے لیے ترتیب وار اور حکمت پر مبنی طریقے سے ان تمام پہلوؤں سے دین کی تعلیمات کو موضوع گفتگو بنانا ہوگا۔ ایمانیات اور عبادات پر کماحقہ راہنمائی کے ساتھ ساتھ عائلی اور معاشرتی دائروں میں___ گھریلو اور خاندانی زندگی کے حُسن انتظام، رشتہ داروں کے حقوق کی ادایگی، قوانین نکاح وطلاق اور وراثت، معاشرتی زندگی میں مسلموں اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا نبھاؤ، مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کے حوالے سے تعلیمات وقوانین، اسلامی معاشرے کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، مسلم معاشروں میں اقلیتوں کے حقوق اور تحفظ۔ ماحولیات کے ساتھ انسان کا تعلّق، حیوانات، نباتات، جمادات اور آبی ذخائر کے حوالے سے ہدایات، گھر کے ساتھ محلّہ، سڑکوں، باغات اور دیگر عوامی جگہوں پر صفائی کا خیال۔ شہری املاک کی حفاظت، قانون کی پاسداری، مساجد کا احترام اور دیکھ بھال، رواداری، دہشت گردی___ ان تمام اُمور کو اسلام کے تحت موضوعِ گفتگو ہونا چاہیے۔ معاشی دائرے میں حلال وحرام، آمدنی کا فرق، کسب مال کی ترغیب، زائد از ضرورت مال اور محروم طبقات کے حقوق، زکوٰۃ اور صدقات، ریاست کے ذرائع آمدن، سود، اسلامی بنکاری، کاروبار کے اصول وضوابط تمام موضوعات پر انسان الہامی ہدایت کا محتاج ہے۔ قانونی دائرے میں اسلام کے عائلی، دیوانی اور فوجداری قوانین، قانون سازی کے اختیارات، اسلامی قانون کے ذرائع، قوانین کے نفاذ کی شکلیں، ان تمام اہم موضوعات کی تفاصیل قرآن وحدیث اور فقہ میں موجود ہیں جو عوام الناس تک منتقل ہونا از حد ضروری ہے۔

سیاسی نظام کے دائرے میں حاکمیت اعلیٰ، یعنی حاکمیت الٰہی کا تصور، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیابت، خلیفۃ اللہ فی الارض کی حیثیت میں اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے ذمہ دار کی حیثیت میں سیاسی نظام کی بنیادیں، منصب خلافت یا امارت، شورائیت، مقتدر طبقے کے فرائض، اقتدار کے ذریعے دین الٰہی کا نفاذ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، فلاحی ریاست کا قیام، ان تمام اُمور کی تفاصیل کو سمجھے بغیر ایک انسان کس طرح اسلام کو بطور نظام حیات سمجھ اور مان سکتا ہے۔

بین الاقوامی نظام کے تحت ایک مسلم ریاست کا دیگر ممالک سے روابط و تعلقات کی بنیادیں، غیر جانب دار اور برسرِ پیکار قوتوں کے ساتھ تعلّق، بین الاقوامی طور پر مسلمہ انسانی حقوق کی پاس داری، عالمی قوانین کے اختیار کرنے میں امکانات اور رکاوٹیں، جنگ اور جنگی قیدیوں کے حوالے سے تعلیمات___ یہ تمام وہ موضوعات ہیں جو اکیسویں صدی میں اسلامی ریاست کے خدوخال سمجھنے اور اس کے قابلِ عمل ہونے پر اعتماد عطا کریں گے۔

دعوت میں ترتیب کا لحاظ

دعوت الی اللہ انسانوں کی فکری و عملی اصلاح کا وسیع کام ہے۔ یہ اہل خانہ کے اندرونی دائرے سے شروع ہوکر، خاندان، محلّہ، شہر، ملک، تمام عالم اور نوع انسانی تک پھیلنے کا عمل ہے۔ دعوت کے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو ماننے کے باوجود اس کی تعلیمات سے بے خبر ہیں یا جانتے بوجھتے اس پر عمل کے لیے تیار نہیں ہیں، اور وہ لوگ بھی جو اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہیں اور اسے قبول کرنا بھی نہیں چاہتے۔ اس وسیع میدان میں اپنے حصّے کی ادایگی میں داعیات کو ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھنا ہوگی جو اس کام میں حسن اور استحکام پیدا کرے گی۔ بصورت دیگر انسان بعد میں پہنچنے والے میدان میں پہلے سے محنت کر رہا ہوگا اور ابتدائی دائرہ اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ جائے گا۔ یہ بے ترتیبی دعوت کے کام میں عدم توازن کے ساتھ مطلوبہ نتائج نہ دے سکے گی۔

اہلِ خانہ کے درمیان دعوت و اصلاح

یقیناً ہمارے اہل خانہ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں دین کی حقیقت سمجھائی جائے، اللہ سے محبت اور اس کے تقاضے واضح کیے جائیں۔ داعیہ کو گھر اور بچوں کے حوالے سے ایک راعی، یعنی نگران کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور وہ اس بارے میں مسئول ہوگی۔ البتہ شوہر قوام کی ذمہ داری کی بنا پر تمام اہل خانہ بشمول بیوی اور بچوں کے لیے مسئول ہے، جب کہ خاتونِ خانہ کی مسئولیت میں شوہر کی ذمہ داری شامل نہیں ہے۔ تاہم شوہر سے محبت اور خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ دین کی بنیادوں اور جزئیات سے ناواقف ہے تو پیار و محبت اور حکمت سے اس تک بھی دین کی دعوت پہنچائی جائے اور اصلاح طلب امور میں اصلاح کا راستہ سمجھایا جائے۔

فرمان الٰہی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم ۶۶:۶)، مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنّم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں۔ جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔

اس ارشاد میں قطع نظر مرد وعورت کے اپنے گھر والوں کو اللہ کی ناراضگی اور اس کے انجام سے بچانے کی فکر کرنے کو کہا گیا ہے۔ ایک داعیہ اگر اپنے گھر کو اپنی دعوت کا پہلا میدان قرار دیتے ہوئے اس منزل کو سر کرے گی تو شوہر، بچوں اور دیگر اہل خانہ کا تعاون اس کے لیے اگلی منزلوں کو حاصل کرنے میں مدد ومعاون بن جائے گا۔ جو داعیات اپنے گھر کی اصلاح کو اہمیّت نہیں دیتیں یا بوجوہ نظرانداز کرتی ہیں تو ان کے لیے شوہر اور بچے راستے کی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

خاندان میں دعوت و اصلاح

اپنے گھر کی اصلاح کے ساتھ داعیات کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ اس دائرے کو وسیع کرتے ہوئے خاندان اور برادری کے بڑے دائرے تک اپنی دعوت کو پھیلائیں۔ ماں باپ، بہن بھائی، خالہ پھوپھی، چچا ماموں، بھانجے بھانجیاں، یہ سب عزیز رشتے تمام انسانوں کی بہ نسبت ہماری توجہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ حکم ربانی ہے: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعرا ۲۶: ۲۱۴)، اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو [یعنی، ڈراؤ]۔

خاندانی زندگی میں تانے بانے یوں جڑے رہتے ہیں کہ قدم قدم پر دوسرے کے محتاج اور تعاون کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اس میل ملاپ میں ہمیں خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں اور یہی تعلقات ہمیں ایک دوسرے کے حقوق کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ داعیات کو اس بات کی اہمیّت کو سمجھنا چاہیے کہ خاندان میں دینی اقدار کے فروغ سے خاندانی تعلقات کو استوار رکھنا بھی آسان ہوگا اور دعوت دین کی راہ میں ان کی حمایت اور تعاون بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ خاندان میں دعوت کے کام

سے غفلت ہمیں دوسروں کی نگاہ میں بھی غیر معتبر بنانے کا باعث ہوگی اور اللہ کے ہاں گرفت کی بھی۔

اہلِ محلہ کے درمیان دعوت و اصلاح

گھر اور خاندان کے دائرے کو بڑھاتے ہوئے اس علاقے یا محلے میں دعوت دین کا کام آپ کی ذمہ داری ہے جہاں آپ رہتی ہیں۔ یہ ذمہ داری والدین کے گھر رہتے ہوئے بھی ادا ہوسکتی ہے جہاں آپ پلی بڑھی ہیں اور شادی کے بعد سسرال میں یا جہاں شوہر رہایش پذیر ہیں۔

اسلام میں ہمسایوں کے حقوق کو بہت اہمیّت دی گئی ہے۔ پڑوس کو چار اطراف ۴۰ گھروں تک محیط قرار دیا گیا ہے۔ دیوار برابر پڑوسی کے اور بھی زیادہ حقوق بتائے گئے ہیں۔ منجملہ حقوق کی ادایگی یا حسن سلوک میں اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینا، قرآن سے تعلّق جوڑنا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف راہنمائی کرنا دیگر دینی و دنیاوی معاملات میں اللہ کی رضا کا راستہ واضح کرنے کے لیے انھی کے درمیان رہنے والا فرد بہت مؤثر ہوسکتا ہے۔ ایک داعیہ کو اپنے ہمسایوں کے درمیان محبت سے میل ملاقات، ان کی خوشیوں اور غموں میں شرکت، تحفہ وتحائف کا لین دین دعوت کے بے شمار مواقع فراہم کرتا ہے۔ اپنے سماجی تعلقات کے دوران موقع کی مناسبت سے قرآن کے احکامات پہنچانا، دینی کتب کی فراہمی، دعا کا اہتمام یا باہم گفتگو میں دین کے مبادیات و جزئیات کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے اہل محلّہ کو اللہ کے قریب لانے کی کوشش ضرور بارآور ہوں گی۔

رفقاے کار کے درمیان دعوت و اصلاح

ایسی داعیات جو کسی ادارے میں ملازمت کرتی ہوں ان کے رفقاے کار بھی ان کے لیے کسی قدر اہل خاندان اور اہل محلہ کے زمرے میں شامل ہوں گے۔ ملازمت کے میدان میں ماتحت خواتین اسی طرح آپ کی رعیت میں شمار ہوں گی جس طرح گھر پر بچے اور ماتحت افراد ہوتے ہیں۔ ان پر ایک درجہ احکامی فوقیت ہونے کے ناطے آپ پر لازم ہے کہ دیگر دفتری احکام کے ساتھ ان کی توجہ اسلام کے تقاضے پورے کرنے پر بھی دلوائیں دیگر ساتھیوں کو بھی خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دین کی متبادل تعلیمات کے ساتھ ساتھ ملازمت کے دوران

مطلوب رویوں پر توجہ دلوانا بھی دعوت کے کام کا حصّہ ہے۔ مثلاً رزقِ حلال کی اہمیت، وقت کی پابندی اور ادارے میں ملازمت کے اوقاتِ کار کی پابندی کا رزقِ حلال کے حصول سے تعلّق، دفتری امور کی ذمہ داری سے ادایگی، ادارے کے وسائل کو امانت سمجھتے ہوئے استعمال کرنا، دفتری رفقا کے ساتھ حسنِ سلوک اور خیرخواہی کی تاکید، دفتری سیاست اور توڑ جوڑ کی کوششوں سے اجتناب وغیرہ۔

دعوت واصلاحِ معاشرہ کا وسیع میدان

اب تک جن معاشرتی دائروں میں دعوت واصلاح کے کام کا ذکر کیا گیا ہے وہاں آپ سب کو براہِ راست جانتی اور پہچانتی ہیں اور آپ کے مخاطبین بھی آپ کو ذاتی حیثیت میں جانتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کے شہر و وطن کی وسیع اجتماعیت اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ اپنے فہم وادراک اور علم کے بقدر اپنے ملک کی وسعتوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ آپ کے مخاطبین کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جائے گا آپ کو دعوت کے اسلوب میں بھی اسی مناسبت سے وسعت پیدا کرنا ہوگی۔ گفتگو اور تقریر سے آگے بڑھ کے تحریری اور تحقیقی اسلوب کا بھی سہارا لینا ہوگا۔ دوسروں کی لکھی ہوئی تحاریر کو استعمال کریں یا خود لکھیں اور لٹریچر تقسیم کریں۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر افراد اور اداروں نے جو دعوتی مواد ترتیب دیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ مذہبی اعتبار سے اہم مواقع، مثلاً رمضان المبارک، قربانی، عیدین، محرم الحرام، ربیع الاوّل، رجب، شعبان، صحابہ کرامؓ کی شہادت کی تواریخ، امہات المومنینؓ اور بنات مطہراتؓ کی تاریخ پیدایش و وفات و دیگر اہم دنوں کو اپنی دعوت کے لیے اہم مواقع تصور کریں۔ ان مواقع کے حساب سے خصوصی طور پر لٹریچر اکٹھا کر کے ایک فائل بنائیں، اپنے گذشتہ دروس کو ایک جگہ جمع رکھیں تاکہ برمحل کام آسکیں۔ اسی طرح ملکی اور بین الاقوامی سطح پر منائے جانے والے اہم ایّام مثلاً یومِ آزادی، یومِ قراردادِ پاکستان، یومِ قائداعظم، یومِ اقبال، ۶ ستمبر، یومِ تکبیر، یومِ مزدور، یومِ خواتین، یومِ اطفال و دیگر مواقع پر موقع کی مناسبت سے اسلام کا پیغام، وسیع تر اجتماعیت میں پہنچایئے۔ مزید آگے بڑھتے ہوئے اخبارات، جرائد و رسائل، ریڈیو اور ٹی وی کو عوام الناس تک پیغامِ حق پہنچانے اور منکرات کی اصلاح کے لیے ذریعہ بنایئے۔

غیر مسلموں کو دعوت حق

مسلمانوں کے درمیاں تبلیغ و دعوت اور اصلاح معاشرہ کی کوشش ایک داعی اور داعیہ کے لیے اگر ایک جہت ہے تو دوسری جہت غیر مسلم دنیا کے سامنے اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔اس حوالے سے آپ کے مخاطبین دنیا کے تین سے چار ارب غیر مسلم افراد ہوں گے اور ان میں سے اگر خواتین کو مرکز ومحور بنایا جائے تو نصف تعداد۔آپ اس میدان میں قدم رکھیں گی تو یہ اتنا وسیع میدان ہے کہ جب تک آپ میں قوت عمل اور آپ کی مہلت عمل باقی ہے، آپ کام کے نہ ہونے کی شکایت نہیں کرسکتیں۔

دعوت کے اس میدان میں اترنے کے لیے ایک داعیہ کو اپنے علم اور فہم کو بے انتہا وسعت دینا ہوگی۔قدیم وجدید نظریات سے واقفیت ،مختلف مذاہب کا تعارف اور ان کے مابین انسانوں کے مختلف گروہوں کے مقام ومرتبہ کا تعیّن، انسانی حقوق کے نظریات اور ان کی پاس داری، اسلام مخالف افکار اور رویوں کی پہچان اور ان کا رد، مستشرقین اور ان کی فکر وتحریر سے واقفیت ، اسلام مخالف پروپیگنڈے کے طریقوں اور ذرائع کا استحضار اس میدان عمل کے لوازم ہیں۔سوچ لیجیے کہ اس ضروری مہم کے لیے کیسے سرمایے کی ضرورت ہوگی؟

غیر مسلموں کو دعوت حق کے خوشگوار نتیجے کے طور پر ایک اور میدان آپ کے سامنے آئے گا جو کہ راہ حق کو قبول کر کے آزمایشوں میں کود جانے والے افراد کی صورت میں ہوگا۔آپ کے لیے ان نومسلم خواتین کو دین کی بنیادی تعلیمات سمجھانے ، احکامات پر عمل سکھانے ،قرآنی دعاؤں کے پڑھنے اور یاد کروانے کے ساتھ انھیں اپنے ماضی سے کٹ کر نئی اجتماعیت میں ضم ہونے کا حوصلہ بھی دینا ہوگا۔انھیں ایک خاندان اور معاشرت میں اجنبیت کے احساس سے بچانے اور زندگی کے عملی مسائل میں تعاون پیش کرنے کا فریضہ بھی ایک داعیہ کی ذمہ داری ہوگا۔اسلام آباد میں ایک ایسی ہی باہمت نومسلم داعیہ نے 'نیو مسلمات کلب' کے عنوان سے نومسلم خواتین کے لیے فورم قائم کر رکھا ہے جو نومسلمات کی دینی ودنیوی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

خصوصی توجہ کے حامل طبقات

●**مؤثر طبقات**: داعیات دین کے لیے ایک اہم سوچ یہ ہونی چاہیے کہ تبلیغ میں اوّل

مخاطب وہ طبقات ہوں جن کے افکار و نظریات کی قیادت میں معاشرے کا نظام چل رہا ہے۔ درحقیقت معاشرے کے ذہین، مقتدر اور مؤثر طبقے ہی عوام الناس کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہوتے ہیں اور وہی معاشرے کے طرزِ فکر و عمل کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کی اصلاح ہوجائے تو سارا نظام خود بخود راہ راست پر آجاتا ہے اور بصورت دیگر نیچے کے طبقات میں ہونے والی اصلاح بھی عارضی ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال قلب اور اعضا و جوارح کے مابین تعلّق سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اگر دل کمزور ہو تو اعضا و جوارح پر کوئی عمل جسم کو طاقت نہیں پہنچا سکتا۔

انبیاے کرام کی دعوت میں بھی ہمیں اس پہلو سے راہنمائی ملتی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ پہلے سوسائٹی کے مقتدر، باحیثیت اور فرماں روائی کے حامل طبقات کو مخاطب کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر کو، جو کہ مذہبی رہنما تھے، وحدانیت کی دعوت دی۔ حضرت موسٰیؑ کو فرعون کی طرف بھیجا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے معزز افراد کو اپنی اولین دعوت کا ہدف بنایا۔

جامعات سے وابستہ مدرسات اور دیگر داعیات کا دائرہ کار، عموماً معاشرے کی کم پڑھی لکھی اور معاشرتی طور پر غیر مؤثر خواتین اور بچیوں تک محدود رہتا ہے۔ سیاسی طور پر مؤثر سینیٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی میں موجود خواتین، اہم حکومتی مناصب پر فائز خواتین، ججوں، وکلا، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے وابستہ خواتین، ڈاکٹروں، غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) سے وابستہ خواتین، تعلیمی میدان میں یونی ورسٹی، کالج اور سکول کی منتظم اعلیٰ، انتظامیہ اور خواتین اساتذہ، فوجی اور سول اعلیٰ افسران کی بیگمات تک اللہ کے دین کا پیغام پہنچانا اگر داعیات دین کی فہرست اور توجہ سے خارج ہے تو حقیقتاً معاشرے میں تبدیلی کے خواب دیکھنا محض شیخ چلیؔ کے خواب ثابت ہوں گے۔

● **نوجوان طالبات**: نوجوان نسل نہ صرف جسمانی اور ذہنی اعتبار سے قوت کی حامل اور فعال ہوتی ہے بلکہ آنے والے دور کی باگیں بھی اسی نے سنبھالنا ہوتی ہیں۔ صنفی مساوات کی فضا اور تعلیم کے اعلیٰ مواقع کی وجہ سے طالبات ایک کثیر تعداد میں بڑے شہروں میں نمایاں حیثیت میں موجود ہیں۔ خصوصاً اسکولوں سے فارغ التحصیل طالبات، پرائیویٹ یونی ورسٹی کی طالبات، پروفیشنل کالجوں میں زیر تعلیم طالبات، سب سے زیادہ نمایاں طبقے کے طور پر سامنے آئی ہیں جہاں داعیات دین کو اپنے رابطوں، اپنے علم اور اپنے فہم کو بروے کار لاتے ہوئے دین کا پیغام مؤثر

انداز میں پہنچانا لازم ہے۔ انھی اداروں سے وابستہ خواتین اساتذہ اپنے منصب کے اعتبار سے دعوت دین کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔

● **معمار قوم**: ایک کھلی حقیقت جو مشرق و مغرب کے فلاسفر تسلیم کرتے ہیں یہ ہے کہ ایک قوم کی معمار درحقیقت ایک عورت بحیثیت ماں ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات بھی سمجھنے اور ماننے کی ہے کہ جیسے ایک ماں میں بچے کی جسمانی اور جذباتی ضروریات پوری کرنے کا جذبہ فطرتاً موجود ہے جو کسی تعلیمی اور معاشی پس منظر کا متقاضی نہیں ہوتا، ویسا جذبہ بہرطور بچے کی تربیت اور کردار سازی کے لیے محرّک نہیں ہوتا۔ کتنی ہی مائیں اپنے بچوں کے نفسیاتی، ذہنی اور روحانی تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتیں۔ یہیں وہ فساد رُونما ہوتا ہے کہ ایک بچہ مستقبل میں بااعتماد، باحوصلہ، باکردار، بہادر اور قائدانہ صلاحیتوں سے محروم نوجوان بن کر معاشرے کا حصہ بنتا ہے۔

داعیاتِ دین کے لیے انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ وہ ماؤں میں شعور بیدار کریں کہ ان کے ذمے بچوں کو محض لذیذ اور انواع و اقسام کے کھانے کھلانا، خوش نما لباس پہنانا اور مروّجہ تعلیمی نظام کے تحت تعلیم کے مراحل مکمل کروانا نہیں ہے، بلکہ بچوں کی جسمانی، ذہنی، فکری، جذباتی، نفسیاتی، روحانی اور دینی تربیت کی مکمل ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تربیت کے ان مراحل میں والدین کی مسلمہ حیثیت کے حوالے سے والد کے کردار کو روشناس کروانا بھی بالواسطہ داعیات کی ذمہ داری ہے۔

بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو جاں گزیں کرنا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعارف کروانا، آپؐ کی محبت اور اتباع سکھانا، نماز اور روزے کا عادی بنانا، اخلاقِ حسنہ، مثلاً سچّائی، غنا، بہادری، حیا کو ان کے کردار کا حصّہ بنانا، نیز اخلاقِ سیئہ، مثلاً: جھوٹ، چوری، بزدلی، بے حیائی، خودغرضی، غیبت وغیرہ سے بیزاری پیدا کرتے ہوئے ان کی شخصیت کا حصّہ نہ بننے دینا۔ اسی طرح ماں باپ کے ادب و محبت کے ساتھ اساتذہ کی عزت اور محبت سکھانا، بہن بھائیوں سے محبت کے رویوں کو سکول کے دوستوں اور پھر معاشرے کے دیگر روابط میں بروے کار لانا، جنت کا واضح نقشہ اور چاہت دل میں رکھتے ہوئے زندگی بھر اس کے حصول کے لیے کوشاں رہنے کی خواہش پیدا کرنا، ان تمام پہلوؤں سے داعیات دین کو گھروں میں رہنے والی یا ملازمت کرنے والی ماؤں کو متوجہ کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ بچوں کو نقصان پہنچانے والے مادی، جذباتی، روحانی، نفسیاتی اور فکری افکار و اعمال

سے ممکنہ حد تک بچانے پر بھی توجہ دینا ہوگی۔

مباحث خواتین اور داعیات کی ذمہ داری

عصرِ حاضر میں خواتین سے متعلق مباحث خصوصی اہمیت حاصل کر چکے ہیں۔ مشرق و مغرب میں عورت کے حوالے سے صنفی امتیاز، ناروا سلوک اور رسوم و رواج پر مبنی رویوں کے خلاف قانون سازی اور حکومتی اصلاحی اقدامات رُوبہ عمل ہیں۔ اسلام میں خواتین کے مقام و مرتبہ اور حقوق اور فرائض واضح ہیں۔ مرد و خواتین کے بحیثیت انسان ایک جیسے معاشرتی اور قانونی حقوق ہیں۔ البتہ اسلام میں فرائض کا دائرہ کار مرد اور خواتین کے لیے قدرے مختلف ہے۔ دو ایک جیسے انسانی حقوق کی حامل اصناف مرد اور خواتین جب نکاح کے ذریعے ازدواجی بندھن میں بندھتے ہیں تو دونوں کے وجود سے ایک ادارہ (خاندان) وجود میں آتا ہے، جس کے تحت دونوں ذمہ دار ہستیاں اپنے ذمے متعین فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ اسی طرح معاشی زندگی میں بھی جدوجہد کا بنیادی میدان مردوں کے ذمے لگایا گیا تھا کیونکہ گھریلو ادارے کے حوالے سے کمانے کی ذمہ داری اور بیرونی کام اس کے ذمے تھے۔ البتہ خواتین کو علمی اور تہذیبی اعتبار سے اپنی نشوونما اور معاشرے کی تعمیر واصلاح میں اپنا حصہ ڈالنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے عصری تقاضوں کا ساتھ دینے کے لیے معاشرے کے مختلف میدانوں، مثلاً تعلیم، طب، سماجی بہبود اور دیگر میں خواتین کی موجودگی لازمی ٹھیری۔

داعیاتِ دین کو عورت اور خاندان کے حوالے سے اسلام کا بنیادی فلسفہ اور تعلیمات کا بہت واضح طور پر اِدراک اور استحضار ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے مدلّل راہنمائی فراہم کرنے کے لیے ایک داعیہ کو مغرب کی عورت کا اپنے حقوق و مقام کے حصول کے لیے جدوجہد، اور اس راہ میں گمراہی، فکری کجی اور مغالطوں کا بھی علم ہونا چاہیے اور اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ اور حقوق و فرائض سے بھی کماحقہٗ آگاہی ہونی چاہیے۔

بعینہٖ مغربی دنیا میں اقوام متحدہ کے زیرنگرانی خواتین کے حقوق کی عالمی جدوجہد کے آغاز، اُتار چڑھاؤ، امکانات، کامیابیوں، مسائل، مسلم فلسفہ وفکر اور قانون سے تصادم و دیگر کا علم ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ اس طرح ایک مسلم داعیہ مسلم معاشرے میں خواتین کے حقوق کے حصول کے لیے

اسلام کے تناظر میں جدوجہد جاری رکھ سکے گی اور عالمی ایجنڈے کے تحت ہونے والے اقدامات میں سے مثبت کو اپنانے اور منفی یا اسلامی فکر اور قانون سے متصادم کو رد کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہوگی اور اس حوالے سے طالبات، خواتین اور عوام الناس کی راہنمائی مؤثر طور پر کر سکے گی۔ مزید برآں عالمی سطح پر خواتین کے حقوق اور دیگر انسانی حقوق کے حصول کی جدوجہد کے چند ایسے منفی پہلو ہیں جن کے آگے بند باندھنے کی کوشش وقت کی اہم ترین ضرورت ہے ورنہ ان کا سیلاب تہذیبی ورثے کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ ان میں بنیادی طور پر نکاح کے بغیر ازدواجی اور خاندانی تعلقات کا فروغ، ہم جنس پرستی اور ہم جنس افراد کی شادی، برہنگی کا حق، سیکس ورکر کے نام پر طوائفیت کو تحفظ اور فروغ، اسقاط حمل کا قانونی حق وغیرہ شامل ہیں۔ ان مباحث کے بارے میں بنیادی معلومات کا حصول، اسلام کا نقطہ نظر، علما کی راے، بین الاقوامی اور ملکی قوانین کا علم ایک داعیہ کے لیے وقت کی اہم ضرورت ہے۔

عصری تقاضوں کا شعور

ہر انسان کا امتحان اور میدانِ امتحان دنیا میں اس کی مہلت عمل کے ساتھ منسلک ہے۔ دنیا کے اسٹیج ڈرامے میں ہر کردار اپنے متعین وقت پر داخل ہوتا اور ایک متعین وقت پر پردۂ اسکرین سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ابتداے آفرینش سے تاحال دنیا جغرافیائی، طبعی، تاریخی، سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے مختلف مراحل سے گزرتی رہی ہے۔ ایک داعی دین مختلف پہلوؤں سے اپنے عصری تقاضوں سے غافل اور بے پرواہ رہتے ہوئے مؤثر نتائج حاصل نہیں کرسکتا۔ یقیناً آج کی داعیہ کے لیے بھی یہ پہلو بہت اہمیّت کا حامل ہے۔

آج کا دور زمانی اعتبار سے اکیسویں صدی، مکانی اعتبار سے گلوبل ویلیج تکنیکی اعتبار سے انفارمیشن اور پوسٹ انفارمیشن دور، تعلیمی اعتبار سے تخصّص، معاشی اعتبار سے صنعت سازی اور مادّیت پسندی، سیاسی اعتبار سے جمہوریت اور تہذیبی اعتبار سے عالمی یلغار اور استعمار کا دور ہے۔ چنانچہ داعیات دین کو زندگی کی حقیقت اور فلسفہ، عقائد و نظریات، توحید، آخرت کی جواب دہی، اخلاقیات کی بارآوری، مفسدات کی بیخ کنی کے لیے ان تمام پہلوؤں سے امکانات، مسائل، اور رکاوٹوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دینا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا اِدراک بھی بہت ضروری ہے کہ مسلم دنیا کی حقیقت اس حوالے سے کیا ہے؟ یعنی اسلام کی تعلیمات اور مسلم معاشروں کی صورت حال کی خلیج کے بارے جاننا اور ماننا بہت ضروری ہے۔ معاشرے اور گھر میں خواتین کو ان کا جائز مقام نہ دینا، مردوں کی طرف سے کفالت کی ذمہ داری کی عدم ادائیگی، گھریلو تشدد اور ناروا سلوک، کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل، قرآن سے شادی، وراثت کی عدم ادائیگی، جنسی سراسیمگی اور زنا بالجبر وغیرہ مسلم معاشروں میں منفی رویوں اور رواج کی واضح صورتیں ہیں۔

داعیات دین کے لیے ضروری اوصاف

دین کی دعوت دینے والے دیگر افراد جن کا تعلّق خواہ کسی کی اپنی اختیار کردہ اجتماعیت سے ہو یا دوسرے گروہ سے، ان سے اخوت ومحبت کا تعلّق رکھنا، دعوت دین کے لیے اپنے منصوبوں اور کاموں کی مناسب منصوبہ بندی کرنا، ان کا جائزہ لینا، کاموں کو نظم وترتیب سے انجام دینا، مشاورت کا اہتمام کرنا، صبرو استقامت کا رویّہ اختیار کرنا، دعوت کے مراحل اور تخاطب میں حکمت کا لحاظ رکھنا، مخاطبین کے ساتھ تخاطب اور معاملات میں حسن اخلاق کا پیش نظر رکھنا، تنقید کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھنا، مخاطبین کی تذلیل واہانت سے حتی الامکان بچنا، دعوت کے کام میں نمود ونمایش، کبروغرور اور ریا سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرنا، ضعفِ ارادہ کا شکار نہ ہونا اور شیطان کی اُکساہٹوں سے چوکنا رہنا، نیت کو بار بار اللہ کے لیے خالص کرنا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعاؤں کا طلب گار رہنا___ یہ تمام وہ بنیادی اوصاف ہیں جو داعیات دین کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوں گے۔

● **تعلق باللّٰہ:** تعلّق باللہ ہی درحقیقت دعوت الی اللہ کے کام کی جان ہے۔ یہی اولین ہدایت ہمیشہ انبیا، خلفاے راشدین اور صلحاے اُمت ہر موقع پر اپنے ساتھیوں کو دیتے رہے ہیں۔ رضاے الٰہی ہی کیونکہ اس کام کی بنیاد ہے چنانچہ جتنا اللہ سے تعلّق مضبوط ہوگا اتنا ہی یہ کام مؤثر اور پایدار ہوگا، اور تعلّق باللہ کی کمزوری یقیناً اس کام کی کمزوری پر منتج ہوگی۔ خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنے کے لیے، خالق کی اپنے بندوں سے محبت کا احساس دلاتے ہوئے، مخلوق کے دل میں اللہ رب العالمین کی محبت کو جگا دینا اور اس کے استحکام اور بڑھوتری کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کرنا درحقیقت کامیابی کی پہلی منزل ہے۔

●**حُبِ رسولؐ:** دعوت دین کا فریضہ کارِ نبوت ہے۔ آپؐ نے یہ فریضہ ہمارے سپرد کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ پر ایمان کی پختگی، اطاعت و اتباع میں سبقت اور آپؐ سے محبت کیے بغیر اس راستے پر چلنا اور اس کی مشکلات کو انگیز کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ حضوراکرمؐ کی اپنی امت کے لیے قربانیوں، کوششوں، دعاؤں اور اظہارِ محبت کے ذریعے انسانوں کے دلوں میں آپؐ کی محبت پیدا کر دینا اور اس محبت کے سہارے صحیح و غلط کے لیے آپؐ کے اسوہ کی طرف دیکھنے کا ذوق پیدا کر دینا، داعیہ کی کامیابی کی دوسری منزل ہے۔

●**اتباعِ دین:** دعوتِ دین اور اتباعِ دین میں گہرا ربط ہے۔ جو شخص خارج کی دنیا میں اسلام کے نظام کو جاری کرنا چاہتا ہے اسے پہلے اپنے اندر کی دنیا میں اس نظام کو قائم کرنا ہوگا۔ خوفِ خدا اور محبت خدا، اتباعِ رسولؐ، دنیا کی حقیقت، ترجیحِ آخرت، اخلاقِ حسنہ پر عمل، اخلاقِ رذیلہ سے اجتناب، گھریلو اور معاشرتی زندگی میں حسنِ معاملات، معاشرے کے کمزور اور محروم طبقوں سے حُسنِ سلوک، اسلامی قوانین کی توضیح و تشریح اور اس پر عمل، غرض ہر ہر پہلو سے جب تک ایک داعیہ کی زندگی شہادتِ حق نہ دے رہی ہو تو محض اس کا درس، وعظ و تلقین کسی دوسرے شخص کی زندگی نہیں بدل سکتا۔

●**علم کا حصول:** عصر حاضر میں آپ مخاطبین کو محض پُرجوش انداز اور خوش نما الفاظ کے ذریعے اپنی دعوت کو سمجھنے پر مجبور نہیں کر سکتیں، بلکہ مدلّل گفتگو، آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے مستند حوالے اور مخاطب کے لیے مانوس اور قابلِ فہم مثالوں سے اپنے پیغام کی وضاحت لازم ہے تاکہ بات مخاطب کے دل میں اتر جائے۔ چنانچہ داعیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کو صحیح تلفظ سے پڑھنے کے ساتھ اس کے ترجمے اور تفسیر پر عبور رکھتی ہو۔ احادیث کو بیان کرنے کے ساتھ علوم الحدیث کی بنیادی معلومات ضرور رکھتی ہو۔ حدیث کے مستند حوالے کے ساتھ وہ حدیث کے استناد کو روایتاً اور درایتاً جاننے اور بیان کرنے والی ہو۔ مخاطبین کو کسی ایک مخصوص فقہی مسلک کی طرف دعوت دینے کے بجائے فقہی تنوع اور اختلافات کی حقیقت کو جانتے ہوئے مکمل رائے لوگوں کے سامنے رکھنے والی ہو اور اختلافات کی صورت میں اعتدال کی راہ اپنانے کا فہم اور جذبہ بھی رکھتی ہو۔

●**امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:** قرآن نے دعوت الی اللہ کے فریضے کو دیگر

آیات میں وضاحت سے دو جہتی فریضہ قرار دیا ہے۔ اوّلاً امر بالمعروف اور ثانیاً نہی عن المنکر۔ گویا نہ صرف یہ کہ وحدانیت پر ایمان اور اس کے تقاضے سمجھانا بلکہ شرک اور اس کے مظاہر سے روکنا بھی ہوگا۔ اسی طرح رسولؐ اللہ پر ایمان، اتباع اور محبت کی طرف بلانا ہوگا اور اس کے ساتھ عبادت کے وہ طور طریقے جن پر رسولؐ اللہ نے عمل نہیں کیا، یعنی بدعات سے بھی منع کرنا ہوگا۔ اخلاق فاضلہ کی تلقین کرنا ہوگی تو اخلاقِ رذیلہ کی مذمّت اور ان سے بچنے اور بچانے کے لیے بھی جدوجہد کرنا ہوگی۔ معاملات زندگی (گھر، کاروبار، معاشرتی تعلقات) کو اللہ کی رضا کے تابع بنانے کی ہدایت کی جائے گی تو معاملات میں نظر آنے والی خرابیوں کو بھی زیر بحث لاتے ہوئے انھیں تبدیل کرنے کی دعوت دینا ہوگی۔ المختصر، کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، دونوں جہتوں سے اسلام کی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچانا ہوگا۔

● **خلاصہ بحث**: فریضہ دعوت دین کی اہمیّت اور تقاضے مرد و خواتین کے لیے یکساں ہیں۔ مسلم اکثریتی اور اقلیتی ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں داعیات دین اس کارِ نبوت کو انجام دے رہی ہیں۔ ملکِ عزیز میں بھی دینی جامعات کی اساتذہ، جامعات سے فارغ التحصیل طالبات، سکول، کالج اور یونی ورسٹی کی اساتذہ، دینی جماعتوں اور تحریکوں سے وابستہ ہزاروں خواتین (الحمدللہ) اپنے اپنے دائرۂ کار میں اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروے کار لاتے ہوئے اپنے وقت اور مال کو اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی سعی و جہد میں مصروف ہیں۔ دینی کتب اور رسائل کے ذخائر میں خال خال ہی خصوصاً خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے دعوتِ دین کی اہمیّت و تقاضوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ دعوت الی اللہ کے کام کی اہمیّت اور وسعت کے پیش نظر یہ گزارشات اُمید ہے کہ داعیات دین کی فکری و عملی راہنمائی کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔

مقالہ نگار انچارج دعوۃ مرکز براے خواتین، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد - جنرل سیکرٹری ویمن ایڈ ٹرسٹ پاکستان، صدر پاکستان برانچ انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین ہیں

دین اور صحت

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن

جسمانی، نفسیاتی اور اجتماعی پہلوؤں سے انسان کا سلامت ہونا، یعنی بیماری اور معذوری کا نہ ہونا صحت ہے۔ تندرستی دراصل، بدن میں ہر چیز کے توازن کا نام ہے۔ صحت کی حفاظت اور اس میں ترقی کی تدابیر اور بیماری کا علاج خود صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ ابن رشد، عضو کے طبعی عمل کے انجام دینے اور طبعی اثر کو قبول کرنے کو صحت کہتے ہیں۔ ابن نفیس کا کہنا ہے کہ بدن درست اعمال انجام دے، یہ صحت ہے۔

اعتدال صحت کی بنیاد ہے۔ بدن اور جسم میں پائے جانے والے عناصر دراصل خوراک میں جو اجزا نمکیات، لحمیات، چکنائی اور نشاستہ شامل ہیں، ان کا اعتدال اور توازن صحت مند ہونے کے لیے ضروری ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ہے: اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ○ (۵۵:۸) ''میزان میں خلل نہ ڈالو''۔ گویا توازن کو خراب مت کرو۔ جسم کا ہر ذرہ کائنات کے توازن کے لیے اساس ہے۔ سورۂ انفطار میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ○ (۸۲:۷) ''اللہ وہ ذات ہے جس نے تجھ کو بنایا، برابر کیا اور اعتدال عطا کیا''۔ سورۃ التین میں ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (۹۵:۴) ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر تخلیق کیا''۔ سورۂ شمس میں آتا ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا ○ (۹۱:۷) ''جان کی قسم ہے اور اسے تناسب دینے والے کی قسم''۔ سورۂ بقرہ میں قیادت کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طالوت اس لیے چُنا گیا ہے کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ (۲:۲۴۷)، یعنی وہ تم پر علمی اور جسمانی فضلیت رکھتا ہے۔ ابن سینا فرماتے ہیں اعتدال انسان کی اس طبعی حالت کا نام ہے جو دو حدوں کے درمیان (افراط و تفریط) کا شکار نہ ہو (کتاب القانون، ص ۴)۔ حضورؐ نے قوی مومن کو

ضعیف مومن سے افضل قرار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ سے عافیت مانگو کیونکہ ایمان کے بعد صحت اور عافیت سے بہتر کوئی چیز کسی کو نہیں ملی۔ (ابن ماجہ)

نبی کریمؐ نے بعض بیماریوں کا علاج بھی تجویز کیا۔ سنن ابوداؤد میں اسامہ بن شریکؓ سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ علاج کرو۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ہاں، اے اللہ کے بندو علاج کرایا کرو۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اُتاری مگر اس کی شفا ضرور نازل کردی۔ جاننے والا اسے جان لیتا ہے اور جاہل اس سے بے خبر رہتا ہے۔ (مسند احمد)

امام ترمذی نے دوا اور پرہیز کے بارے میں ابوخزامہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ بھی اللہ کی تقدیر کا حصہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے طاعون عمواس میں لشکر کے افراد کو وہیں پر بکھر جانے کے لیے تجویز دی اور فرمایا کہ ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف ہی پلٹتے ہیں۔ جب انھیں بتایا گیا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ نہ بیمار وبا کی جگہ سے نکلے اور نہ کوئی وہاں داخل ہو۔ آپؐ نے مریض کی عیادت کو واجب قرار دیا اور مرض پر صبر کرنے کی تلقین کی۔ مرض کی تکلیف پر گناہوں سے خلاصی کی بشارت دی اور مرض کی شفایابی کے لیے کئی قسم کی دعائیں سکھائیں۔

اہم ترین فکر زندگی کا توازن ہے، نیند میں، غذا میں، رویے میں، روش زندگی میں۔ سورۂ رحمٰن میں فرمایا گیا: ''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو'' (۵۵:۷-۹)۔ سورۂ فرقان میں فرمایا: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (۲۵:۶۳) ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں''۔ اسی طرح فرمایا: جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ ۲:۱۴۳) ''اور ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا''۔ خرچ کرنے میں بھی حکم ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵:۶۷) ''اور جب (رحمٰن کے بندے) خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی، ان کے درمیان رہتے ہیں''۔ توازن اگر بگڑ جائے تو انسان بیمار ہوجاتا ہے۔ اس میں ایک اہم پہلو متوازن غذا کا بھی ہے۔ نفسیاتی طور پر جذبات میں توازن خوف اور غصّے کی حالت پر قابو پانا ہے۔ یہ بات قرآن بتاتا ہے کہ ایک فرد کی غیر متوازن زندگی پوری کائنات پر اثر انداز ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ انفرادی،

خاندانی اور عائلی زندگی میں اس کے اثرات ہمیں نظر آتے ہیں لیکن بیمار شخص کے معاشرتی اور بین الاقوامی اثرات ہی نہیں بلکہ انسانی اور زمینی اثرات سے آگے بڑھ کر کائناتی اثرات ہیں۔

اسلام کا ایک اہم اصول لاضرر والاضرار ہے۔ انسان کے پاس اس کا اپنا بدن امانت ہے۔ اس کو نقصان پہنچانا اور دوسرے فرد کو یا معاشرے کو نقصان پہنچانا بھی جرم ہے۔ خودکشی اسی لیے حرام ہے۔ اپنا مال ضائع کرنا اور بُرے اعمال کے ذریعے اپنی عزت کو پامال کرنا بھی جائز نہیں۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ''جس نے مومن کو نقصان پہنچایا، اس کے خلاف سازش کی، اس پر لعنت ہے'' (ابن ماجه، ابوداؤد)۔ آپؐ کا ارشاد ہے جس نے کسی مومن کو نقصان پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کو نقصان پہنچائے گا (ترمذی)۔ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء ۴:۲۹) ''تم اپنے آپ کو قتل مت کرو''۔ (جان) ذات کا تحفظ فرض ہے۔ خاندان کے تحفظ کی بات بھی کی گئی ہے۔ تم میں بہتر وہ ہے جو اہل و عیال کے لیے بہتر ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے، تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے، تیرے بچوں کا تجھ پر حق ہے۔ اس لیے حق دار کو اس کا حق دو۔ (بخاری)

اگر پرہیز اور امراض سے بچاؤ کے علاوہ حفظانِ صحت کے جو اصول اسلام اور طب میں مشترک ہیں، ان پر عمل کیا جائے تو عملی طور پر علاج کی نوبت ہی نہ آئے۔ حیرت ناک حد تک اسلامی تعلیمات واقعی زندگی بخش ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: دو ایسی نعمتیں ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں۔ وہ صحت ہے اور فرصت ہے (بخاری)۔ کسی کو ایمان کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں ملی۔ (ابن ماجه)

حفظانِ صحت کے اصول

حفظان صحت کے کچھ اصول ہیں: ۱- عادات ۲- جسمانی ساخت اور پرداخت ۳- ذہنی صحت ۴- معاشرتی صحت ۵- طبعی صحت ۶- لباس اور ماحولیاتی صحت۔

● **عادات**: دو چیزیں عادتاً بہت اہم ہیں: نیند اور خوراک۔ نیند کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (النبا ۷۸:۱۰) ''ہم نے تمھاری نیند کو راحت بنایا''۔ اور خوردونوش کے بارے میں فرمایا: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقره ۲:۱۷۲) ''ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمھیں بخشیں انھیں کھاؤ''۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا: ''حلال کو حرام نہ کرو'' (۵:۸۷)

● **جسمانی ساخت**: جسمانی ساخت اور پرداخت کے لیے متوازن غذا کی ضرورت ہے۔ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا (اعراف ۷:۳۱) ''کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو'' (بسیار خوری اسراف ہے)۔ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، دل کی شریانوں کی بیماری، درد سینہ، انجمادِ خون، فالج صرف اور صرف بے ترتیب غذا کے سبب سے ہیں۔ یوں معدہ اور ہاضمہ دونوں کا صحت سے گہرا تعلق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''کسی آدم زاد نے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا۔ انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں''۔ اندرونی جسمانی صحت کا گہرا تعلق خوراک سے ہے۔ مقدام بن سعدی کربؓ سے ترمذی میں روایت ہے: ''اگر نفس غلبہ پالے تو ۱/۳ کھانے کے لیے ۱/۳ پینے کے لیے اور ۱/۳ سانس لینے کے لیے چھوڑنا چاہیے''۔

● **ذہنی صحت**: انسان کے امراض کا ۴۳ فی صد ذہنی امراض ہیں۔ انسان کے پاس خوف اور غم کا علاج نہیں سوائے ایمان کے۔ خوف اور غم کیا ہیں؟ نعمتوں کے چھن جانے کا خوف رہتا ہے اور جب چھین لی جائیں تو غم شروع ہوجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے: اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲:۳۸) ''تم سب زمین پر اُترو، تمھارے پاس میری ہدایت آئے گی، جو ان کی پیروی کرے گا اس پر نہ خوف ہوگا نہ غم''۔

خواہشات انسان کی زندگی کے پورے نظام کو بدل دیتی ہیں۔ مال و جاہ اور سیم و زر ان کے مختلف نام ہیں۔ منصب، بیوی بچے اور اقتدار ان سب کی خواہش رہتی ہے لیکن یہ نعمت تب ہیں جب یہ ہدایت کے ساتھ ہوں۔ جذبات میں حسد سے پناہ کا سورۂ فلق میں ذکر آتا ہے کہ مجھے حسد کرنے والے کے شر سے محفوظ فرما۔ غصّے کے لیے احکام ہیں: وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (اٰل عمرٰن ۳:۱۳۴) ''اور وہ اپنے غیظ و غضب پر قابو پاتے ہیں''۔

سکون اور طمانیت قلب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرعد ۱۳:۲۸) ''دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے''۔ نفسیاتی امراض سے نجات کا ایک بڑا ذریعہ معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے کہ مرض، مالی یا جانی نقصان، خوف، بھوک میں انسان صبر کرے اور اللہ کا حکم اور اس کا فیصلہ قرار دے۔ لوگوں کے رویے انسان کو تکلیف دیتے

ہیں۔ غلط رویوں کے لیے دین میں کوئی اجازت نہیں، مثلاً منافقت، تکبر، بے اعتنائی، نفرت، حسد، بُغض، تعصب، تمسخر، مخالفت، افتراق، ظلم، شک، بداخلاقی ــــــ یہ تمام منفی رویے ہیں۔ سورۂ حجرات میں تمسخر، غیبت، بدظنی، تحقیر، عیب جوئی کی حرمت کا حکم ہے۔ اسلام نظریاتی بھائی چارے کو قائم کرنے حکم دیتا ہے اور تعصبات پر مبنی مملکتوں کے قیام کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دیتا ہے۔

● **معاشرتی صحت**: انسان کی اپنی صحت اور اردگرد کے ماحول میں خاندان اور اہلِ خانہ کی صحت بہت اہم ہے۔ حضرت عثمانؓ زوجہ کی علالت کے باعث غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ بجائے خود ایک فقہی اصول کی نشان دہی کرتا ہے۔ قانون عملی اور حقیقی اصولوں پر ہی تشکیل دیا جاتا ہے۔ صحت خود ایک نعمت ہے۔ ہاتھ دھونا، غسل، وضو، مسواک، ناخن اور بالوں کا ترشوانا، کنگھی اور انگلیوں میں خلال، نماز کے دوران قیام، رکوع اور سجود نماز کے لیے آنا جانا عبادت بھی ہے اور صحت بھی۔

● **جنسی صحت اور تعلقات**: مخصوص اعضا کی صفائی دینی مسئلہ ہے۔ حضرت عائشہؓ خواتین سے فرماتی ہیں کہ تم اپنے شوہروں کو ہدایت کرو کہ پانی سے صفائی کریں کیونکہ مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ ایسا ہی کرتے تھے (ترمذی)۔ شادی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ سورۂ روم (آیت ۲۱) میں ہے: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی''۔ سورۂ نساء میں بیوی کا ذکر اس طرح آیا ہے: ''اے انسانو! تمھارے رب نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی'' (النساء ۴:۱)۔ سورۂ رعد (۱۳:۳۸) میں فرمایا کہ آپؐ سے پہلے بھی ہم نے رسولؐ بھیجے ان کے بیوی بچے تھے۔ گویا شادی رسولوں اور انبیا کی سنت ہے۔ شادی صرف انفرادی فرض نہیں بلکہ اجتماعی فریضہ ہے۔ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح ہوں ان کے نکاح کردو'' (۲۴:۳۲)۔ تفصیلی تعلیمات میں بیویوں کی صفات کا ذکر ہے۔

اسی طرح نشے سے بچنا ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo (المائدہ ۵:۹۰) ''شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو،

اُمید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی''۔ شراب کو حرام قرار دیا گیا۔ چودہ سو سال بعد بھی اُمت ان لعنتوں سے محفوظ ہے اور ان بیماریوں سے جو شراب نوشی اور نشوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

● **طبعی صحت**: حفظانِ صحت کا طبعی پہلو سراسر ذاتی اور انفرادی ہے کہ انسان اپنے بدن کی صفائی کرے۔ بدن کی صفائی کے ضمن میں قرآن فرماتا ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر ۷۴:۴-۵) ''اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو''۔ ہر قسم کی گندگی سے بچنے کے لیے آپؐ نے فرمایا: ''صفائی نصف ایمان ہے''۔ اسلام نے یہ ہدایات کیوں دی ہیں؟ یہ ہدایات اس لیے دی گئی ہیں تاکہ صحت اچھی رہے۔ غذا اور خوراک کا جسم کے صحت مند ہونے سے گہرا تعلّق ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ربانی ہے: ''اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمھارے لیے پوشاک اور خوراک بھی ہے اور طرح طرح کے اور فوائد بھی'' (۱۶: ۵)۔ آیت ۱۴ میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ''اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ''۔ اسی طرح آیت ۱۱ میں آتا ہے: يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ ''وہ اس پانی کے ذریعے سے تمھاری کھیتیاں اگاتا ہے، اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے''۔ آیت ۶۶ میں فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ○ ''اور تمھارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمھیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار ہے''۔ آیت ۶۹ میں شہد کا ذکر کیا ہے: ''ان مکھیوں سے مختلف رنگوں کا مشروب ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے''۔ اُمِ ایمنؓ سے ابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے چھنے ہوئے آٹے کو واپس کر کے بھُس میں ملانے کے لیے فرمایا اور پھر روٹی پکانے کا فرمایا۔ کھانے سے پہلے ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا۔ ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھو۔ یہ سارے احکامات صحت سے متعلّق ہیں۔

● **لباس اور ماحولیاتی صحت**: حفظانِ صحت کے اصولوں میں ماحول کی صفائی اور

پانی کی حفاظت کا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: تم میں سے کوئی ٹھیرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے (ابن ماجہ)۔ لعنت کی تین باتوں سے، پرہیز کی روایت ابوداؤد میں معاذ بن جبلؓ سے ہے کہ پانی کے مقامات، گزرگاہ کے درمیان اور سایے میں رفع حاجت نہ کرو۔

یہ تمام احکامات علاج نہیں، مرض سے بچنے کی اعلیٰ ترین تدابیر ہیں۔ اس لیے کہ مرض سے بچنے کی تدابیر بھی دین کا حصّہ ہیں بلکہ ترجیحاً بہت اہم ہیں۔ درخت اور پودے لگانے کو صدقہ قرار دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو بنجر زمین کو آباد کرے وہ اس کی ہے۔ ترمذی کی روایت حضرت جابرؓ سے اور ابوداؤد میں بھی ہے جس نے بیری کاٹی (بلاجواز) اللہ اس کے سر کو دوزخ میں نیچا کرے گا۔ حضرت زبیرؓ سے مسند احمد اور ابوداؤد میں روایت ہے، آپؐ نے فرمایا: مرج وادی کا شکار اور پودے حرام ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو درخت لگا رہا ہے اور دیکھے کہ قیامت آ گئی ہے تو درخت لگا دے۔ قرآن میں ماحول کو تباہ کرنے والا بڑا دشمن وہ ہے جو کھیتی اور جانوروں کو ہلاک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ''جب اُسے اقتدار حاصل ہوتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔ (البقرہ ۲:۲۰۵)

اس طرح گھر کی صفائی، برتنوں کی صفائی اور گھر کے ماحول کی صفائی بھی فرض ہے۔ خوب صورت محل دیکھ کر ہی تو ملکہ سبا نے اسلام قبول کیا۔ گھر کی تعمیر اور صفائی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس طرح کہ خانہ کعبہ کے لیے اللہ نے ابراہیم سے وعدہ لیا کہ ''میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو''۔ (البقرہ ۲:۱۲۵)

بدن، لباس، غذا اور ماحول کی صفائی کیوں ضروری ہے؟ یہ واضح ہے کہ انسان کی کسی اہم ضرورت کی وجہ سے یہ احکامات دیے گئے ہیں۔ اب ثابت ہوگیا ہے کہ یہ سب صحت کے لیے علمِ فقہ میں اس بنیاد پر ہیں اور اولیت رکھتے ہیں کہ انسانی صحت کا دارومدار ان اہم اصولوں پر ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے، کہ صحت مقدم ہے، اور قیامت تک کے لیے صحت سے متعلّق ایجادات، دوائیں، پرہیز یا شہروں کی منصوبہ بندی یا مملکتوں کے انتظامی ڈھانچوں کے جو بھی احکامات ہوں گے، ان کو مقاصد الشریعہ کے زمرے میں شامل رکھا جائے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ پولیو کے قطرے بھی بیماری

سے بچانے کے لیے ہیں۔ اس پر ان احکامات کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان سارے احکامات سے جب پتا چل گیا کہ انسانی زندگی کا تحفظ ہر چیز پر دینی لحاظ سے مقدم ہے، اور پھر زندگی کا انحصار صحت پر ہے، اور اللہ کو بھی قوی مومن پسند ہے تو پھر وہ ساری کاوش جو اس مقصد کے لیے ہو وہ باعث اجر وثواب ہے۔

پولیو مہم: حقائق اور خدشات

پوری دنیا سے پولیو ختم ہوگیا، سوائے نائیجیریا، افغانستان اور پاکستان کے۔ اس کام میں رکاوٹ وہ بہت سے معاشرتی، سیاسی، انتظامی اور مذہبی سوالات ہیں جن کے جوابات کی واقعی ضرورت ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ دنیا میں اتنے بہت امراض ہیں، اس ایک مرض کو ختم کرنے کے لیے امریکا اور پورا عالم کیوں کوشش کر رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کو کسی ملک کی دشمنی یا اسلام دشمنی کی وجہ سے مرض کے حوالے کرنا خود ایک گناہ ہے۔ امریکا اور عالم کفر کی اسلام دشمنی میں کوئی شک نہیں۔ اپنے بچوں کو پولیو زدہ کرنے سے ہم بھی ان کی پالیسی کو اختیار کرنے والے بن جائیں گے، حالانکہ اس کام کا اس سیاست سے کوئی تعلّق نہیں۔ کیونکہ پولیو کے یہی قطرے ۵۳ اسلامی ممالک میں استعمال کر کے ہی وہاں کے مسلمان ڈاکٹروں، علما اور حکمرانوں نے پولیو کا خاتمہ کیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے: ''کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل سے نہ ہٹا دے۔ خبردار عدل کرو اور تقویٰ کے قریب ترین چیز عدل ہے'' (المائدہ ۵:۸)۔ یہ بات بھی عام ہے کہ ان قطروں میں بانجھ پن کی دوا ہے۔ ان قطروں کی شیشی پر اجزا کے نام موجود نہیں۔ ہر دوا کی طرح اس پر زائدالمیعاد ہونے کی تاریخ درج نہیں۔ کراچی کے ایک مائیکرو بیالوجسٹ ڈاکٹر عدیل نے ان اعتراضات کا لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعے جائزہ لیا اور علمائے کرام کی موجودگی میں ان اعتراضات کو بے بنیاد ثابت کیا۔

اس مضمون میں علما کے اسلام آباد ڈیکلریشن کا تذکرہ بھی ضروری ہے جس میں راقم شریک تھا۔ اس ڈیکلریشن میں ڈرون حملوں کے سبب سے بے گناہ اور معصوم بچوں کی شہادت کی مذمت جیسے اُمور پر بھی علما نے رائے دی اور تین باتوں کو واضح کیا کہ پولیو کی ویکسین محفوظ اور مؤثر ہے۔ تولیدی نظام کو نقصان پہنچانے والا کوئی جز اس میں شامل نہیں اور اس میں کوئی مضر صحت اور حرام چیز نہیں۔

مضمون نگار، نگران طبی فقہی بورڈ، پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن ہیں

اخبارِ اُمت

اسلامی تحریکوں کی تاریخی عالمی کانفرنس

عبدالغفار عزیز

''ہمارا ملک مسلمان ہے، لیکن پابندیاں ایسی کہ غیر مسلموں کے ہاں بھی نہیں۔ ہمارے ہاں ۱۸ برس سے کم عمر کا کوئی نوجوان مسجد میں نہیں جاسکتا۔ سرکاری اداروں یا تعلیم گاہوں میں نہ کوئی شخص چہرے پہ سنت نبویؐ سجاسکتا ہے، نہ کوئی خاتون یا بچی سر پہ اسکارف رکھ سکتی ہے۔ خواتین کو پردے کی آزادی ہے، لیکن صرف گھر کے اندر۔ گھروں میں ماں باپ بھی اپنے بچوں کو قرآن کریم یا دیگر دینی علوم کی تعلیم نہیں دے سکتے، اگر والدین اس 'جرم' کا ارتکاب کرتے پکڑے جائیں، تو بھاری جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شخص اپنے گھر کے اندر یا مسجد کے علاوہ کہیں نماز ادا نہیں کرسکتا۔ ایسا 'سنگین جرم' بھی بھاری جرمانے کا موجب بنتا ہے''—— شہروں میں نمازِ جمعہ کی اجازت ملنے کے لیے ۳۰ سے ۵۰ ہزار تک اور دیہات میں ۱۰ سے ۱۵ ہزار تک نمازی دستیاب ہونے کا ثبوت ہوتو نمازِ جمعہ ادا ہوسکتی ہے وگرنہ نہیں۔ دینی مدارس پر پابندی ہے، صرف سرکاری طور پر رجسٹرڈ مدارس ہی متعین علوم پڑھا سکتے ہیں اور ۷۰ اضلاع پر مشتمل ملک میں صرف ۱۷ رجسٹرڈ مدارس ہیں''۔ تاجکستان میں تحریک نہضت کے صدر اور رکن اسمبلی محی الدین کبیری عالمی کانفرنس برائے مسلم قائدین میں اپنا حال سنا رہے تھے۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ آج: حقوقِ انسانی، حقوقِ نسواں، آزادیِ اظہار اور نہ جانے کن کن نعروں کا ورد کرنے والی دنیا میں ہورہا ہے۔

تاجکستان ہی نہیں، پورے عالمِ اسلام کے یہ مسلم رہنما اور اسلامی تحریکوں کے قائدین ۲۵، ۲۶ ستمبر کو دو روزہ عالمی کانفرنس میں شریک تھے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان سیّد منور حسن کی

دعوت پر مختصر وقت میں ۲۰ ممالک سے ۴۰ سے زائد رہنما اور پارٹی سربراہ تشریف لائے اور اُمت محمدؐ کو درپیش بحرانوں کا جائزہ لیتے ہوئے، ان سے نکلنے کی راہیں تلاش کیں۔ بدقسمتی سے اُمت صرف مسائل ہی کا شکار نہیں، ایک دوسرے سے لاتعلق اور دُور بھی کر دی گئی ہے۔ تاجکستان کا دارالحکومت دوشنبے اسلام آباد سے صرف ۱۳۲۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یعنی تقریباً اسلام آباد، کراچی جتنا، لیکن وہاں سے آنے والے مہمانوں نے بتایا کہ: ''ہم تین روز میں لاہور پہنچے ہیں۔ دوشنبے سے کابل، کابل سے دبئ اور دبئ سے لاہور''۔ یہی حال موریتانیا سے تشریف لانے والے علامہ محمد الحسن الدیدو کا تھا۔ وہ دارالحکومت نواکشوط سے سوڈان کے دارالحکومت خرطوم، وہاں سے استنبول، وہاں سے اسلام آباد اور پھر لاہور پہنچے۔ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ علامہ محمد الحسن موریتانیا ہی نہیں، عالمِ عرب کے انتہائی قابلِ احترام عالمِ دین ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث کے متون (texts)، پوری پوری اسناد کے ساتھ حفظ ہیں۔ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ فلاں حدیث اس بندۂ فقیر نے اپنے استاد فلاں، انھوں نے فلاں اور انھوں نے فلاں سے سنی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ خود رسول اکرمؐ تک پہنچ جاتا ہے۔ میرا مقصد کسی کی تعریف نہیں، یہ عرض کرنا ہے کہ اس کانفرنس میں کتنی اہم شخصیات، اپنے اخراجات پر، طویل سفر کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے پاکستان تشریف لائی تھیں۔

الاخوان المسلمون مصر کے رہنما آخری وقت تک ویزے کے لیے کوشاں رہے، لیکن انھیں ویزا ملا تو کانفرنس کا پہلا روز گزر جانے کے بعد۔ اسی طرح الاخوان المسلمون شام کے سربراہ بھی آخری لمحے تک ویزا حاصل نہ کرسکے۔ یہاں پر ہمیں یہ اعتراف بھی ہے کہ حکومت پاکستان نے دیگر تمام مہمانوں کو ویزا دینے میں پورا تعاون کیا اور اکثر ویزے بلاتاخیر مل گئے۔

کانفرنس میں مصر، شام، بنگلہ دیش، فلسطین، کشمیر، اراکان کے حالیہ بحرانوں کے علاوہ اُمت کو درپیش دیگر سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی چیلنجوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ امیر جماعت سیّد منورحسن نے اپنے افتتاحی خطاب میں بنیادی مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے مہمانوں کو دعوتِ مشاورت دی۔ الاخوان المسلمون اُردن کے سربراہ ڈاکٹر ھمام سعید نے مصر کی تازہ صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ: ''اگرچہ قتل وغارت اور گرفتاریاں اب بھی جاری ہیں، لیکن باعثِ اطمینان امر یہ ہے کہ مصری عوام کی اکثریت نے اس انقلاب کو مسترد کر دیا ہے۔ اب بھی روزانہ مظاہرے ہو رہے ہیں۔

ہفتے میں کم از کم دو بار ملک گیر مظاہرے ہوتے ہیں۔ گذشتہ ہفتے یونی ورسٹیاں کھل جانے کے بعد اس تحریک میں ایک نئی روح دوڑ گئی ہے۔ حکومت نے جابرانہ آرڈی ننس جاری کرتے ہوئے کسی بھی طالب علم کو تعلیمی اداروں یا ہاسٹلوں سے بلانوٹس گرفتار کرنے کے احکامات جاری کر دیے ہیں، لیکن طلبہ خوف زدہ ہونے کے بجاے مزید فعال ہو رہے ہیں۔

اخوان کو غیر قانونی اور کالعدم قرار دینے اور تمام اثاثہ جات ضبط کر لینے کے عدالتی فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ: ''اس سے پہلے بھی ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۴ء بھی اخوان کو کالعدم قرار دے دیا گیا تھا، لیکن الحمدللہ ان کی راہ کھوٹی نہیں کی جاسکی''۔ جنرل سیسی کے مضحکہ خیز اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ''عجیب منطق ہے۔ پہلے اخوان کے ہزاروں کارکنان کو گرفتار کیا گیا، پھر اخوان کو کالعدم قرار دیا گیا اور اب ان گرفتار شدگان پر یہ مقدمات چلائے جارہے ہیں کہ ان کا تعلّق ایک غیر قانونی تنظیم سے ہے''۔

شام کی صورت حال پر بھی سب نے تفصیلی بات کی۔ ۱۹۷۰ء سے شامی عوام کی گردنوں پر مسلط اسد خاندان نے صرف اپنا اقتدار بچانے کے لیے گذشتہ پونے تین سال کے عرصے میں بچوں، بوڑھوں اور خواتین سمیت ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زائد بے گناہ انسان تہِ تیغ کر دیے ہیں۔ بظاہر شام کے مسئلے پر دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہے۔ ایک طرف امریکا اور دوسری طرف روس کا مرکزی کردار ہے۔ لیکن عملاً دونوں کا ہدف ایک ہی ہے اور وہ ہے شام کی مزید تباہی، اور شام کو اس کی قوت کے تمام مظاہر سے محروم کر دینا۔ ۲۱ راگست کو ڈکٹیٹر بشار الاسد کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال اور ڈیڑھ ہزار افراد کے قتلِ عام کے بعد، پورے خطے میں عالمی جنگ کا ایک ماحول بنا دیا گیا۔ امریکا اور روس بھی آمنے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہوتے دکھائی دیے۔ پھر بالآخر جو مقاصد، امریکا جنگ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتا تھا، روس نے مذاکرات کے ذریعے حاصل کروا دیے اور اب اقوامِ متحدہ نے بھی کیمیائی ہتھیار تلف کرنے کی قرارداد منظور کر لی ہے۔ امریکی دھمکیوں کا مقصد بشار جیسے درندے کا خاتمہ نہیں، شام کو اس کی کیمیائی صلاحیتوں سے محروم کرنا تھا، کیونکہ اس سے صہیونی ریاست کو خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ شام کی صورت حال دنیا کے دوہرے معیار بھی مزید بے نقاب کر رہی ہے۔ وہی دنیا جس نے ڈیڑھ ہزار افراد کے قتل کو بنیاد بنا کر

پورے خطے کو جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا، ایک لاکھ سے زائد انسانوں کے قتل پر صرف بیان بازی کر رہی ہے۔ سنگین ترین بات یہ ہے کہ اس وقت یہی عالمی قوتیں شام کی تقسیم کے لیے کوشاں ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ جلد ہی ۱۹۱۶ء کے سائیکس، پیکو (فرانسیسی اور برطانوی وزیر خارجہ) معاہدے کی طرح کیری، لافروف (امریکی اور روسی وزیر خارجہ) معاہدہ بھی مسلم خطے کو تقسیم کرتے ہوئے اسے تاریخ کا سیاہ باب بنا دے۔

تیونس سے تحریک نہضت کے بزرگ رہنما اور نائب صدر عبدالفتاح مورو اپنے وفد کے ساتھ شریک تھے۔ انھوں نے جہاں دعوت و تربیت کے میدان میں تحریکات کو درپیش مختلف چیلنجوں کا جائزہ لیا، وہیں تیونس کی منتخب حکومت ختم کرنے کے لیے اپوزیشن کی ماردھاڑ پر مبنی تحریک کا خلاصہ بھی پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ: ''گذشتہ چند ماہ میں مختلف اپوزیشن رہنماؤں کو قتل کر کے اس کی آڑ میں سیاسی بحران پیدا کیے جا رہے ہیں۔ اپوزیشن صرف ۶۰ افراد پر مشتمل ہے، لیکن اپنی ہی برپا کی ہوئی اس قتل و غارت کو بنیاد بنا کر اسمبلی کا بائیکاٹ کر کے گذشتہ تقریباً دو ماہ سے اسمبلی کے سامنے دھرنا دیے بیٹھی ہے۔ دستور ساز اسمبلی کی مدت ختم ہونے میں تین ماہ سے بھی کم عرصہ رہ گیا ہے۔ دستور کا مسودہ بھی تقریباً تیار ہے، لیکن اپوزیشن کو خدشہ ہے کہ اگر تحریکِ نہضت کی حکومت کے زیر سایہ حقیقی انتخاب ہو گئے، تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ مختلف وجوہ کی بنا پر تیونس میں فوجی انقلاب کا امکان تو ان شاء اللہ نہ ہونے کے برابر ہے لیکن تحریک نہضت کی حکومت ختم ہو سکتی ہے۔ شیخ راشد الغنوشی کی قیادت میں تحریک نہضت اپوزیشن کے ساتھ مذاکرات بھی کر رہی ہے اور کوشش ہے کہ یا تو ریفرنڈم کے ذریعے بحران سے نکلا جائے یا پھر تحریکِ نہضت حکومت چھوڑ دے اور انتخابات کو ان کے نظام الاوقات کے مطابق اور منصفانہ بنانے کی بھرپور کوشش کرے''۔

۷۲ سالہ عبدالفتاح مورو نے ایک واقعہ سنا کر تحریکات کو متوجہ کیا کہ ہمیں معاشرے کے کسی بھی فرد سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور اس سے خیر کی اُمید رکھنی چاہیے۔ بتانے لگے کہ: ''گذشتہ دور میں حکومت نے ہر طرف شراب نوشی اور فحاشی و تباہی کا دور دورہ کر دیا۔ ہم ایک بار مسجد گئے تو وہاں ایک شرابی بھی صف میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ نشے میں دھت اور منہ سے بدبو کے بھبکے...... ہم نے کوشش کی کہ وہ مسجد سے نکل جائے تا کہ ہم سکون سے نماز ادا کر سکیں، لیکن وہ اڑ گیا کہ نہیں،

میں نے بھی نماز پڑھنا ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ چلیں اسے چھوڑیں اور اس سے چند گز دُور جا کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ نماز شروع ہوئی، وہ نشئی بھی نماز پڑھنے لگا۔ ہم سب نے سلام پھیر لیا، لیکن وہ سجدے ہی میں پڑا رہا۔ معلوم ہوا کہ تیسری رکعت کے سجدے میں اس کی روح پرواز کرگئی تھی۔ ہم سب کے دل سے دعا نکلی کہ پروردگار! اسے معاف فرما، آخری لمحے تو تیرے دربار میں حاضر ہو گیا تھا''۔

بنگلہ دیش کے بارے میں بھی سب شرکا تشویش و الم کا شکار تھے۔ سب نے وہاں جاری مظالم اور جماعت اسلامی کے علاوہ دیگر اپوزیشن رہنماؤں کے خلاف سنائی جانے والی سزاؤں کی مذمت کی۔ اب تک اس ضمن میں جو صدائے احتجاج انھوں نے بلند کی تھی اس کے بارے میں بھی آگاہی دی اور آیندہ کے لیے حکمت عملی بھی۔ سب کو تشویش تھی کہ اگر حال ہی میں عبدالقادر مُلّا کی عمر قید کو سزائے موت میں بدلنے کے فیصلے پر عمل درآمد ہو گیا، تو برادر اسلامی ملک میں بھڑکتی ہوئی احتجاجی آگ مزید پھیل جائے گی۔ یہ انتقامی سیاست نہ صرف ملک کو مزید بحرانوں کا شکار کر دے گی، بلکہ قوم کو بھی مزید بُری طرح تقسیم کر دے گی۔

کانفرنس میں اراکان [برما] کے بے نوا مسلمانوں کی زبوں حالی، اور یمن، صومالیہ اور پاکستان میں ہونے والے امریکی ڈرون حملوں، مسئلۂ کشمیر، افغانستان و عراق پر امریکی قبضے اور تہذیبی یلغار کے حوالے سے بھی سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ امریکی استعماری قبضے کے خاتمے اور ڈرون حملوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی پر بھی مفصل گفتگو ہوئی اور عبادت گاہوں اور معصوم شہریوں کو دھماکوں کا نشانہ بنانے پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کا انعام تھا کہ تمام تحریکات ان تمام موضوعات پر یک آواز اور یک سُو تھیں۔

افتتاحی خطابات اور پھر کانفرنس کے اعلامیے میں بھی پہلا نکتہ یہی رکھا گیا کہ: ''تمام اسلامی تحریکیں اپنے یومِ تاسیس ہی سے پُرامن جدوجہد پر استوار ہوئی تھیں۔ تقریباً ایک صدی کی جدوجہد کے دوران (اخوان کی بنیاد ۱۹۲۸ء میں رکھی گئی تھی) اسلامی تحریکوں پر ابتلا و عذاب کے پہاڑ توڑے گئے، کالعدم قرار دیا گیا، پھانسیوں پر لٹکایا گیا، لیکن اس سب کچھ کے باوجود انھیں اسی پُرامن راستے سے ہٹایا نہیں جاسکا۔ آج مصر اور تیونس میں ان کی کامیابیوں پر ڈاکا زنی کی کوششیں جاری ہیں۔ مصر میں خون کی ندیاں رواں ہیں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود سب اسلامی تحریکیں اپنی پُرامن جدوجہد کے بارے میں مزید یک سُو ہوئی ہیں اور وہ اسی راہ پر چلتے رہنے کا عزم رکھتی ہیں''۔

حماس کے سربراہ خالد مشعل کے خصوصی نمایندہ ڈاکٹر محمد نزال اور مقبوضہ کشمیر سے غلام محمد صفی اور قائم مقام امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر نورالباری کی موجودگی میں سب نے اس پر بھی اتفاق راے کا اظہار کیا کہ جہاں استعماری قوتیں قابض ہوں وہاں ہرممکن طریقے سے مزاحمت و جہاد، ان عوام کا قانونی و دینی فریضہ ہے۔ پوری اُمت کو ان کی مکمل پشتیبانی کرتے رہنا چاہیے۔

قیم جماعت لیاقت بلوچ نے کانفرنس کا اعلامیہ پڑھا۔ اس میں تمام نکات کا احاطہ کرلیا گیا اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اسلامی تحریکوں کے ذریعے اُمت مسلمہ کو یک جا اور یک جان کرنے کے لیے ایک مستقل سیکرٹریٹ قائم کیا جائے گا، جوان شاءاللہ مسلسل اور مستقل و مربوط مساعی منظم کرے گا۔

الحمدللہ! ملایشیا اور انڈونیشیا سے لے کر مراکش اور موریتانیا تک کی یہ تحریکیں جو کئی ممالک میں حکومتوں کا حصہ ہیں، اُمت اور بالخصوص پاکستان کی پشتی بان بن کر شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔ اسی جانب مراکش میں اسلامی تحریک کے سربراہ محمد الحمداوی نے اپنی تقریر میں ذکر کیا کہ: ''یہ صرف چند افراد کا اجتماع نہیں، یہاں آج گویا اُمت کے کروڑوں عوام جمع ہیں۔ میں مراکشی بھی ہوں اور اب خود کو پاکستانی بھی محسوس کر رہا ہوں''۔

ہر حوالے سے اس کامیاب عالمی کانفرنس نے مصر و شام کے علاوہ بھی ہر جگہ مظلوم عوام کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ تنہا نہیں، لیکن بدقسمتی اور ظلم کی انتہا دیکھیے کہ مصری اور بعض عرب ممالک کے میڈیا نے اس کانفرنس کے بارے میں وہ جھوٹ گھڑے کہ خود جھوٹ بھی ان سے پناہ مانگ رہا ہے۔ ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ کے سامنے منعقد ہونے والی اس کانفرنس کو، جسے کئی عالمی ٹی وی چینلوں نے براہِ راست نشر کیا، مصری ذرائع ابلاغ نے ایک خفیہ کانفرنس بنا دیا۔ عالمی اسلامی تحریکوں کی کانفرنس کو اخوان کی ایک کانفرنس کہا، اور اسے القاعدہ اور طالبان کے ساتھ مل کر مسلح جدوجہد کے خفیہ منصوبے بنانے کے لیے بلائی گئی کانفرنس قرار دے دیا۔ ایک چینل نے تو اسے پاکستانی حکومت و مقتدرہ کا شاخسانہ قرار دے دیا جو مصر میں مسلح تحریکیں برپا کرنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ جھوٹا پروپیگنڈا بھی پوری عرب دنیا میں اُمت کی اس اہم کانفرنس کی خبر پہنچانے کا ذریعہ بنا۔ اب اصل پیغام بھی مسلسل پہنچ رہا ہے۔

عبدالقادر مُلّا کو شہید کر دیا جائے گا؟

سلیم منصور خالد

ظلم اور وہ بھی انصاف کے نام پر، ہمیشہ فسطائی اور ظالم قوتوں کا ہتھیار رہا ہے۔ جب ایسے ظلم کو میڈیا اور سامراجی قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہو جائے تو پھر سوال اور جواب کی گنجایش کم ہی رہ جاتی ہے۔

ایسا ہی ظلم بنگلہ دیش میں ۶۵ سالہ عبدالقادر مُلّا، اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی کے ساتھ روا رکھا گیا ہے، جنھیں ۵ فروری ۲۰۱۳ء کو قانون کی من مانی تاویل کرتے، من پسند عدالت سجاتے اور دفاع کے جائز حق سے محروم رکھتے ہوئے عمر قید سنائی گئی۔ وہ اس ظلم پر اپیل کے لیے سپریم کورٹ گئے، مگر ساڑھے سات ماہ تک بنگلہ دیشی سپریم کورٹ نے عجیب و غریب تاریخ رقم کی۔ بنگلہ دیش کے معروف قانون دان محمد تاج الاسلام کے بقول: ''جنوبی ایشیا کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ ایک ٹرائل کورٹ کی طرف سے سنائی گئی سزا کو سپریم کورٹ نے بڑھا کر سزاے موت میں تبدیل کر دیا ہے''۔ مگر یہ تماشا ہوا ہے۔

عبدالقادر مُلّا کا جرم کیا ہے؟ یہی کہ جب ۱۹۷۱ء میں، دنیا بھر کی برادری میں ایک تسلیم شدہ ملک پاکستان کے مشرقی حصّے میں ہندستانی فوج کی زیرنگرانی تربیت یافتہ دہشت گردوں کی مسلح کارروائیوں نے زور پکڑا، تب ملک توڑنے، بھارتی افواج کا ساتھ دینے، پُرامن شہریوں کو قتل کرنے اور قومی اِملاک کو تباہ کرنے والی مکتی باہنی کے مقابلے میں مسلح طور پر نہیں، بلکہ محض تبلیغ اور افہام و تفہیم کے ذریعے پُرامن رہنے اور شہری زندگی کو بحال کرنے کی جدوجہد میں عبدالقادر نے اپنی بساط کے مطابق کھلے عام رابطہ عوام مہم چلائی۔ اُس وقت وہ ایم اے کے طالب علم تھے۔ ان کا

یہی 'جرم' آج ۴۲ سال بعد 'جنگی جرم' بلکہ 'انسانیت کے خلاف جرم' بنا دیا گیا۔ عوامی لیگ نے اپنی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو سہارا دینے، ہندو آبادی کو خوش کرنے اور بھارت نواز سیکولر قوتوں سے تعاون لینے کی غرض سے اس مقدمے بازی کا ڈراما رچایا۔

جوں ہی عبدالقادر مُلّا کو جنگی جرائم کی نام نہاد عدالت نے سزاے عمر قید سنائی، حسینہ واجد سپریم کورٹ میں گئیں اور کہا: ''عبدالقادر کو عمر قید کے بجاے سزاے موت دی جائے''۔ اور سیکولر لابی کے وہ کارکن جو سزاے موت کو ویسے ہی ختم کرنے کا علم تھامے نظر آتے ہیں، وہ بھارتی سرکاری پشت پناہی (یہ الزام نہیں بلکہ اس بات کی گواہی بھارت کے معتبر اخبارات بھی پیش کرچکے ہیں) میں ''عمر قید نہیں، سزاے موت چاہیے'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے سڑکوں پر آگئے۔ سڑکوں پر کیا آئے، خود حکومت کے اہل کاروں نے، عوامی لیگ کے عہدے داروں اور کابینہ میں بیٹھے وزیروں نے، اداکاروں اور گلوکاروں نے، پولیس کی حفاظت میں، اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پکنک کا ماحول پیدا کرنے کے لیے شاہ باغ چوک کو سرکس کا گڑھ بنایا گیا، اور آخرکار ۱۸ستمبر ۲۰۱۳ء کو اپنی 'روشن دماغ' عدلیہ سے یہ فیصلہ لے لیا کہ ''عبدالقادر مُلّا کو سزاے موت دی جائے''۔

برطانوی دارالامرا کے رکن لارڈ الیگزنڈر چارلس کارلائل نے ۲۰ستمبر ۲۰۱۳ء کو مسٹر ایچ ای ناوی پلے، ہائی کمشنر اقوام متحدہ براے انسانی حقوق، سوئٹزرلینڈ کے نام خط میں تحریر کیا:

> میں نے برطانیہ کے کُل جماعتی گروپ براے انسانی حقوق کے رکن کی حیثیت سے ۷جون ۲۰۱۳ء کو آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی تھی کہ بنگلہ دیش میں انسانی حقوق کی صورتِ حال سخت ابتر ہے، اور یہ حالات روز بروز بدترین شکل اختیار کرتے جارہے ہیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر عرض کیا تھا کہ اس المیے کا سب سے بڑا محرک وہاں پر انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل کا قیام اور اس کی کارروائی ہے۔
>
> مجھے ذاتی طور پر آپ کے اس طرزِعمل پر حیرت ہوئی کہ آپ نے گذشتہ دنوں جنیوا میں خطاب کرتے ہوئے انسانی حقوق کی بے حُرمتی کے مراکز کے طور پر شام، مصر اور عراق کا نام تو لیا، مگر عجیب بات ہے کہ انسانی حقوق کی ان قتل گاہوں میں آپ نے بنگلہ دیش کا نام نہیں لیا۔

[بنگلہ دیش کے] عام انتخابات سے صرف چند ماہ پیش تر، یہاں کی حکومت اپنے سیاسی مخالفین کو ہراساں کرنے اور گرفتاریوں کی یلغار کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی ہے۔ جسے بڑھاوا دینے کے لیے اس حکومت کے قائم کردہ کرائمز ٹریبونل کے جانب دار اور سیاسی طور پر متحرک ججوں نے اپنے کھیل سے، بنگلہ دیشی معاشرے کو بدامنی کی آگ میں دھکیلنے کا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ صفائی کے گواہوں کا اغوا اور دیگر غیرمہذب اقدامات نے عدالتی کارروائی جیسے جائز اور مقدس عمل کو تباہی سے دوچار کرا دیا ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنے جون کے خط میں آپ کو لکھا تھا کہ 'جرائم کے خلاف عالمی انصاف' کو لازماً جرائم کے خلاف محض قومی سطح پر دائرۂ سماعت میں نہیں آنا چاہیے، بلکہ اس کے ساتھ لازمی طور پر عالمی سطح پر انسانی حقوق کے معیارِ انصاف اور کارروائی کے عالمی معیار اور شفافیت کے مسلّمہ اصولوں پر بھی پورا اُترنا چاہیے۔ اس ضمن میں کسی بھی کم تر معیار کو اپنانے کا مطلب عدل وامن کے مجموعی ہدف کو ضائع کرنے کے ہم معنی ہوگا۔

تاہم، اس ہفتے عبدالقادر مُلّا کے مقدمے میں بنگلہ دیش سپریم کورٹ کے فیصلے نے سخت پریشانی سے دوچار کیا ہے، جس میں سپریم کورٹ نے گذشتہ عرصے میں دائر کی گئی درخواست پر ایک قدم آگے بڑھ کر عمرقید کو سزاے موت میں تبدیل کر دیا ہے اور اپیل کا حق بھی سلب کر لیا گیا ہے۔

بنگلہ دیشی حکومت نے اقوام متحدہ کے گروپ براے 'من مانی نظربندی' کی گذشتہ برس کی اس رپورٹ کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا ہے، جس میں یہ بات واضح کی تھی کہ وہاں پر عالمی انصاف کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں اور اب اس فیصلے نے پیش قدمی کرتے ہوئے اس سزا یافتہ قیدی کے نظرثانی کے حق اپیل کو سلب کر کے بین الاقوامی ضوابط کو روند ڈالا ہے، جس کی مذمت کرنا لازم ہے۔

میں عبدالقادر مُلّا کے اس فیصلے کے بارے میں ہیومن رائٹس واچ (HRW) کے اس تجزیے کی پُرزور تائید کرتا ہوں کہ:

Bangladesh: Death Sentence Violates Fair Trial Standards, 18th September (بنگلہ دیش میں ۱۸ستمبر کو سزاے موت کا فیصلہ مقدمات کے منصفانہ معیار کی خلاف ورزی ہے)۔

انھوں نے بجا طور پر اس معاملے کی نشان دہی کی ہے کہ [بنگلہ دیش حکومت کی جانب سے زیرسماعت مقدمات کے بارے] بعداز وقت قوانین کی تبدیلی، مقدمے کی شفاف کارروائی کے بین الاقوامی قانونی نظریے کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

[امریکی] وزیرخارجہ جان کیری کی جانب سے وزیراعظم حسینہ واجد اور ان کی مدّمقابل خالدہ ضیا کو بات چیت کے ذریعے معاملات کا حل نکالنے کی دعوت خوش آیند ہے۔

تاہم، پاے دار امن کے لیے ضروری ہے کہ 'انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل' کو لازماً بین الاقوامی نگرانی میں اپنی کارروائی کرنی چاہیے۔

لارڈ الیگزنڈر کارلائل، نہ پاکستانی ہیں اور نہ جماعت اسلامی کے رکن اور کارکن وغیرہ، بلکہ وہ ایک پارلیمنٹیرین، مذہباً غیرمسلم اور پیشے کے اعتبار سے قانون دان ہیں۔ انھوں نے اس مقدمے کو خالصتاً قانونی، انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر دیکھا تو چیخ اُٹھے کہ: ''یہ کیا ظلم ہو رہا ہے؟'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود ہمارے ہاں کے انسانی حقوق کے علَم برداروں کی حسِ انصاف کو کیا ہوا، اور خود ہمارے حکمرانوں اور مقتدر طبقوں کی قومی حمیت کو کیوں گھن لگ گیا ہے؟

عبدالقادر مُلّا ۱۴/اگست ۱۹۴۸ء کو ضلع فرید پور (مشرقی پاکستان حال بنگلہ دیش) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں راجندر کالج، فرید پور سے گریجویشن کے بعد ڈھاکہ یونی ورسٹی میں ایم اے میں داخلہ لیا۔ اسی دوران یونی ورسٹی کے ایک ہاسٹل میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم منتخب ہوئے۔ وہ ۱۶دسمبر ۱۹۷۱ء سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں گئے۔ اسی معاشرے میں کھلے عام رہے اور عملی زندگی میں بطور صحافی خدمات انجام دیں۔ معروف اخبار روزنامہ سنگرام ڈھاکہ کے ایگزیکٹو ایڈیٹر، اور بنگلہ دیش نیشنل پریس کلب کے رکن منتخب ہوئے۔

۵فروری کو جب نام نہاد عدالت نے عبدالقادر کو ڈیڑھ گھنٹے پر محیط وقت میں مقدمے کا فیصلہ سنایا تو اس روز بی بی سی لندن کے نمایندے کے مطابق: ''عبدالقادر نے بلند آواز میں 'اللہ اکبر'

کا نعرہ بلند کیا اور ججوں کو مخاطب کر کے کہا: ''ایسا غیر منصفانہ فیصلہ کرنے پر تمھیں کوئی اچھے نام سے یاد نہیں کرے گا''۔ اور ان کے وکیل بیرسٹر عبدالرزاق نے کہا: ''یہ عدالت کے رُوپ میں ایک شکاری چڑیل ہے''۔ تاہم، جب باہر نکلے تو برطانوی اخبار دی انڈی پنڈنٹ کے نمایندے فلپ ہشز کے بقول: ''عبدالقادر مُلاّ، عدالت کے فیصلے پر واضح طور پر خوش نظر آرہے تھے، اور انھوں نے عدالت سے نکلتے وقت فتح کا نشان بلند کیا''۔ (۱۹ فروری ۲۰۱۳ء)

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ ان کی عمر قید پر بھارت نواز لابی اور بنگالی قوم پرست سیکولر لابی نے 'سزاے موت دو' مہم چلانا شروع کردی اور آخرکار ۱۷ستمبر کو سزاے موت کا فیصلہ لے لیا۔ ۲۰ستمبر کو عبدالقادر مُلاّ کے بیٹے نے جیل میں ان سے ملاقات کے بعد بتایا کہ: ''میرے ابا نے کہا ہے، بیٹا! میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ لڑکپن سے جس موت کی دعا مانگا کرتا تھا، اللہ کی خوش نودی سے وہ موت میرے سامنے ہے۔ اس پر غم نہ کرو، بلکہ اس کی قبولیت کے لیے رب کریم سے دعا مانگو''۔ آج صورت یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں یہ خبر ہر خاص و عام میں گرم ہے کہ: ''عوامی لیگ کم از کم عبدالقادر مُلاّ کو تو سب سے پہلے سزاے موت ضرور دے گی'' ___ مگر کیوں؟ جواب بڑا واضح ہے کہ ملک میں بدامنی کا ایک ایسا دور شروع ہوجائے کہ عوامی لیگ کی حکومت جو اگلے ماہ اپنی مدت ختم کررہی ہے وہ براہِ راست راے دہندگان سے بچ جائے اور وہاں کی عدلیہ، فوج اور ٹیکنوکریٹ کا ایک عبوری دورِ حکومت ان انتقامی کارروائیوں کو جاری رکھ سکے۔

جماعت اسلامی کے خلاف مقدمات کے فیصلے تو اُوپر تلے آ ہی رہے ہیں، اور اب ۲۲ستمبر کو اسی کرائمز ٹریبونل نے بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کے ایک بزرگ رہنما عبدالعلیم کے خلاف بھی '۱۹۷۱ء میں انسانیت کے خلاف جرائم' کی سماعت مکمل کرلی ہے اور کسی بھی وقت یہ فیصلے کا اعلان کرسکتی ہے۔ یاد رہے، عبدالعلیم، بنگلہ دیش کے مرحوم صدر ضیاالرحمٰن کی کابینہ میں وزیر رہ چکے ہیں۔

۲۱ستمبر کو حسینہ واجد نے معروف صحافی ڈیوڈ فراسٹ (الجزیرہ ٹی وی) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ: ''خالدہ ضیا کی بی این پی سے ہمارا نظریاتی اختلاف ہے، اس لیے ہم کبھی آپس میں نہیں مل سکتے''۔ یہ نظریاتی اختلاف تین دائروں میں دیکھا جاسکتا ہے: ● بی این پی، بنگلہ دیش کے

دستور میں اسلامی شقوں کو لانے اور ان کا تحفظ کرنے والی پارٹی ہے، جب کہ عوامی لیگ نے آتے ہی ان دستوری شقوں اور قوانین کو ختم کر دیا ہے۔ ● بی این پی، بنگلہ دیشی قومیت کی علَم بردار ہے (جس کا مطلب دوقومی نظریہ ہے)، جب کہ عوامی لیگ بنگلہ قوم پرستی کی پرستار ہے، جو دوقومی نظریے کی نفی ہے۔ ● بی این پی، بھارت کے ساتھ برابری کی سطح پر اور بنگلہ دیش کے اقتدارِاعلیٰ کے تحفظ کی علَم بردار ہے لیکن عوامی لیگ، بھارتی حکومت کے سامنے خودسپردگی اور تابع مہمل رہنے کے لیے بے تاب ہے۔

یہ ہیں وہ نظریاتی اختلافات، جن کے نتیجے میں جماعت اسلامی اور بی این پی آپس میں حلیف ہیں اور عوامی لیگ ان کی دشمنی کے لیے ہر لمحے اور ہر قیمت پر مائل بہ جنگ۔

رسائل و مسائل

محرم کے بغیر حج

سوال: کیا عورت حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے گروپ کی شکل میں نامحرم کے ساتھ جاسکتی ہے، جب کہ شوہر یا باپ کی طرف سے اجازت ہو؟ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: عورت عورتوں کی جماعت کے ساتھ گروپ کی شکل میں حج پر نہیں جاسکتی۔ اس لیے کہ محرم کے بغیر اس پر حج فرض نہیں ہے۔ رَے کی ایک خاتون نے ابراہیم نخعیؒ کی طرف خط لکھا کہ میں مال دار ہوں، مجھ پر حج فرض ہے اور میں نے حج نہیں کیا لیکن میرا محرم کوئی نہیں جو حج میں میرے ساتھ جائے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا: تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی توفیق دی ہو، اس لیے تجھ پر حج فرض نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ، حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک محرم یا شوہر کا ہونا شرطِ استطاعت ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت میسر ہو تو خاتون حج پر جاسکتی ہے۔ بعض دیگر فقہا کے نزدیک ایسی صورت میں جب راستے میں امن ہو اور عورتوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ نہ ہو تو عورت تنہا بھی حج کرسکتی ہے۔ وہ اس کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ایک عورت حیرۃ سے تنہا سفر کر کے آئے گی اور حج کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا (بخاری)۔ ازواجِ مطہراتؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حفاظت میں حج کیا۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو ان کی حفاظت کی خاطر بھیجا تھا۔ (بخاری)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر محرم کے بھی حج ہوسکتا ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ پیش گوئی اور ازواجِ مطہراتؓ کا جلیل القدر صحابہ کی حفاظت میں حج کرنا، استثنائی حالات ہیں۔ عام حالات میں نہ امن ہے نہ اس طرح کی حفاظت، جس طرح کی حفاظت ازواجِ مطہراتؓ کو حاصل تھی۔ اس لیے محرم کے بغیر حج کرنا صریح احادیث کی خلاف ورزی ہے۔ حکومت پاکستان اور سعودیہ دونوں کے ہاں محرم کا ہونا شرط ہے، لہٰذا جب تک دونوں حکومتوں کے قوانین میں تبدیلی نہیں ہوتی اور محرم کی شرط ختم نہیں ہوتی، اس وقت تک اس شرط کی پابندی ضروری ہے۔ شوہر یا باپ کی اجازت محرم کی شرط کو ساقط نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی احکام پر صحیح معنیٰ میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

زکوٰۃ کی اجتماعی ادایگی: چند عملی مسائل

س: دستور جماعت اسلامی کی رُو سے ارکانِ جماعت اپنی زکوٰۃ جماعت کے بیت المال میں جمع کرانے کے پابند ہیں۔ اس حوالے سے چند باتوں کی وضاحت کی ضرورت ہے تاکہ شرحِ صدر کے ساتھ اس امر کی پابندی کی جاسکے:

۱- قرآنِ مجید نے زکوٰۃ کی ادایگی کے لیے آٹھ مدات کا ذکر کیا ہے۔ ان مدات میں ترجیح کے اعتبار سے ایک ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جماعت کے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرانے سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ساری کی ساری زکوٰۃ یا اس کا ایک بڑا حصہ 'فی سبیل اللہ' کی مد میں استعمال ہو۔ اس طرح امکان ہے کہ اجتماعی نظام کے ذریعے زکوٰۃ کی ادایگی تو کرلی جائے، لیکن مدات میں ترجیحی ترتیب کو برقرار نہ رکھا جاسکے؟

۲- بعض مقامات پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظم جماعت کے پاس تمام زکوٰۃ جمع کرانے کے بعد آپ اپنے جاننے والے فقرا و مساکین کو ادایگی کے لیے، پھر نظم سے لے کر انھیں دے دیں۔ لیکن اس طرح وقت اور رابطوں کے ایک طویل سلسلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ یوں ایک آسان کام مشکل بن جاتا ہے۔ کیا یہ قرینِ حکمت ہے؟

۳- نظم جماعت اس امر کا اہتمام کرتا ہے کہ زکوٰۃ اور عمومی اعانت کا حساب الگ الگ

رکھے، لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعی فنڈ سے پروگرامات کے شرکا کی تواضع بھی کی جاتی ہے، یا ہینڈ بلز اور دعوت نامے چھپوائے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ دعوت ناموں کے بچ جانے اور استعمال نہ ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ اس صورت میں کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

ج: زکوٰۃ کی مدات قرآنِ پاک میں مقرر ہیں، ان میں کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے، وہ اسے ان ہی مدات میں صرف کرتی ہے، صرف دعوت کے کاموں میں صرف نہیں کرتی۔

فقرا اور مساکین کو زکوٰۃ دینا مقصود ہو تو اس کی خاطر آپ کو حاجت نہیں کہ فقرا کا حصّہ خود ادا کریں، البتہ عزیز و اقارب میں سے کوئی زکوٰۃ کا مستحق ہو اور آپ براہِ راست اسے زکوٰۃ دینا چاہیں تو مقامی اور ضلعی نظم کے علم میں لا کر ایسا کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ نظم جماعت کو دے کر واپس لینے کی حاجت پیش نہیں آتی۔

اصولاً اور عملاً زکوٰۃ کی مد سے حاصل ہونے والی رقم اور اعانت کے ذریعے ملنے والی رقم کو الگ الگ رکھا جاتا ہے، لیکن اگر کہیں ایسا نہیں ہو رہا تو وہاں پر فوراً اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ کی رقم کے ایک حصّے سے ایسی چیزیں چھپوائی جاسکتی ہیں جو لوگوں میں دعوت کی اشاعت کے لیے ہوں۔ پروگراموں کی اشاعت کے لیے ہینڈبل وغیرہ اگر چھاپے جائیں تو اس میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے کہ اتنے ہی شائع کیے جائیں جن کی ضرورت ہو اور پھر انھیں پوری احتیاط سے لوگوں تک پہنچایا جائے، دفتروں میں پڑے نہ رہیں۔

یہ بات بطورِ خاص ذہن میں رکھیں کہ زکوٰۃ کی جن آٹھ مدات کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے ان میں کمی بیشی تو نہیں کی جاسکتی لیکن ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ ان تمام مدات میں دی جائے، بلکہ ان آٹھ مدات میں سے کسی ایک مد میں بھی تمام زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، مثلاً کسی وقت آپ اپنی زکوٰۃ صرف فقرا کو دے دیں، یا کسی وقت کسی مقروض کو دے دیں اور کسی وقت جہاد فی سبیل اللہ میں دے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ ۲:۲۷۱) ''اگر تم صدقہ خفیہ طریقہ سے دو اور وہ صدقات فقرا کو دو تو یہ تمھارے لیے

بہتر ہے''۔ اس آیت میں فقرا کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے۔ فقرا زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے ایک مد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی رہا ہے کہ بعض اوقات آپ نے ایک مد میں زکوٰۃ دے دی، اور بعض اوقت دوسری مد میں، مثلاً ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ (زکوٰۃ) کا مال آیا تو آپؐ نے مؤلفۃ القلوب (نومسلم کی تالیف قلب کے لیے) دے دیا۔ پھر دوسری مرتبہ آیا تو آپؐ نے مقروضوں کو دے دیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی، جلد۱۰، ص ۱۲۴-۱۲۵، الجامع لاحکام القرآن، جلد۸، ص ۹۵، زادالمیسر، جلد۳، ص ۴۵۹)

اس لیے اگر کوئی شخص اپنی ساری زکوٰۃ فی سبیل اللہ کی مد میں دے دیتا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اسی طرح اگر جماعت کو زکوٰۃ دی جائے اور جماعت اسے فی سبیل اللہ، یعنی دعوت کے مختلف کاموں میں خرچ کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ہاں، اگر کسی شخص نے اپنی زکوٰۃ کے لیے کوئی خاص مد تجویز کی، تو اسے اسی مد میں صرف کیا جائے گا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے کارکنوں کی ضیافت، کھانا اور دوسری ضروریات زکوٰۃ کی مد سے کی جاسکتی ہیں۔ جس طرح جہاد فی سبیل اللہ میں جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے گی۔ ان کے لیے اسلحہ، گھوڑے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدی جائیں گی۔ اسی طرح دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے سواری کا انتظام کیا جائے گا اور ہینڈبل اور دعوت نامے شائع کرکے دیے جائیں گے۔ یہ سب زکوٰۃ کا مصرف اور جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظامِ کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظامِ اسلامی کو قائم کرنا ہو۔ اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں ان کو سفرخرچ کے لیے، سواری کے لیے آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے، خواہ وہ بجائے خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ رضاکارانہ اپنی تمام خدمات اور اپنا تمام وقت عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کے لیے دے دیں تو ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ سے وقتی یا استمراری رعایتیں دی جاسکتی ہیں'' (تفہیم القرآن، جلد۲، حاشیہ ۶۷، تفسیر آیت ۶۰، ص ۲۰۸)۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

کتاب نما

تسہیل البیان فی تفسیر القرآن (جلد اوّل)، مؤلفہ: شکیلہ افضل۔ ملنے کا پتا: II-J-۶۳۷ جوہر ٹاؤن، لاہور۔ صفحات (بڑی تقطیع): ۴۶۶۔ ہدیہ: ۵۰۰ روپے۔

قرآن ایک سدابہار کتاب ہے اور تفسیر قرآن ایک سدابہار موضوع۔ مختلف زبانوں میں بلامبالغہ ہزاروں تفاسیر لکھی جاچکی ہیں، مگر نہ تو قرآنی موتیوں کی تلاش میں کمی آئی اور نہ اس ضرورت کے احساس میں۔ اُردو زبان بھی تفسیر قرآن کے لٹریچر کے تنوع سے مالامال ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمۂ قرآن سے لے کر زیرتبصرہ تفسیر تک سیکڑوں تفسیریں منظرعام پر آئی ہیں جن میں سے ہر ایک کا اپنا انداز اور اپنا مقام ہے اور ہر ایک کا اپنا فائدہ اور حُسن ہے۔ زیرنظر تفسیر میں مؤلفہ نے تیسیرالقرآن، عبدالرحمٰن کیلانی، تفسیر ابن کثیر (شاید اُردو ترجمہ)، تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف اور استاذہ نگہت ہاشمی صاحبہ کے لیکچروں کا خلاصہ انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔

انداز یہ اپنایا گیا ہے کہ آیت کے بعد سلیس اُردو زبان میں آیت کا ترجمہ درج کیا گیا ہے اور اس کے بعد 'خلاصۂ تفسیر' کے عنوان سے حاصل مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ حوالہ دینے سے اجتناب کیا گیا ہے، غالباً اس لیے کہ یہ تفسیر جن قارئین کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے اُن کے لیے حوالہ نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں تھا، بلکہ شاید طوالت اور اُکتاہٹ کا باعث بن جاتا۔ اس طرح یہ تفسیر اُن عام قارئین کے لیے ایک نادر تحفہ ہے جو مختصر وقت میں قرآنی مفاہیم سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

تفسیر کے شروع میں قرآنی ترتیب کے مطابق موضوعات کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے جس سے کسی موضوع کی تلاش میں آسانی ہوجاتی ہے۔ اگر کاغذ اور طباعت کا معیار بہتر ہوتا تو موضوع کے ساتھ انصاف ہوتا۔ (گل زادہ شیرپاؤ)

سفرِ آرزو، ملک مقبول احمد۔ ناشر: مقبول اکیڈمی، ۱۰-دیال سنگھ مینشن، مال روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۳۷۳۵۷۰۵۸۔ صفحات: ۲۹۶۔ قیمت: ۶۰۰ روپے۔

سفرِ آرزو کے مصنف ملک مقبول احمد درجن بھر سے زائد کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ لیکن زیرِنظر کتاب ان سب پر فوقیت رکھتی ہے کہ اس میں انھوں نے تشنۂ تکمیل آرزوؤں کے پورا ہونے کی رُوداد میں اپنے مشاہدات اور احساسات کو تصنع سے مبرا سادگی سے پیش کیا ہے۔ مصنف کو تین بار حج اور متعدد بار عمرہ ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طرح ان کے مشاہدات کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے ان مقدس مقامات کی زیارت کے لیے پوری تیاری کی، وسیع مطالعہ کیا۔ اس سے انھیں اپنے مشاہدات اور تاثرات کو قلم بند کرنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور کتاب میں دل چسپی کا عنصر بھی قائم رہا۔

اب تک حج اور عمرہ کے متعدد سفرنامے شائع ہوچکے ہیں اور ہر مصنف نے اپنے انداز اور اپنے اسلوب سے قارئین تک معلومات بھی بہم پہنچائیں اور قلبی واردات اور ذہن پر مرتب ہونے والے تاثرات سے آگاہ کیا۔ سفرِ آرزو کی بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ اس میں تاریخ، جغرافیہ، ثقافت اور روحانیت گھل مل گئے ہیں۔ مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ یہ سفرنامہ زیادہ سے زیادہ مفید اور دل چسپ ہو۔ چنانچہ انھوں نے مناسکِ حج و عمرہ کی ادایگی کے طریقہ ہاے کار اور مسنون دعاؤں (مع تراجم) کے علاوہ بیت اللہ، چاہِ زم زم، مختلف مساجد، غزوات اور قربانی و رمی کے مختصر پس منظر پر سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اندازِ بیاں کی سادگی ہی اس کا حُسن ہے۔ کتاب میں اہم مقامات کی رنگین تصاویر بھی موجود ہیں۔ اُمید ہے مقدس مقامات کی زیارت کو جانے والے اس سے کماحقہ مستفید ہوں گے اور یہ کتاب مصنف کے لیے خیروبرکت کا باعث بنے گی۔ (عبداللہ شاہ ہاشمی)

سیرتِ محمد رسولؐ اللہ، تاریخ کے تناظر میں، ڈاکٹر سید معین الحق، مترجم: رفیع الزمان زبیری۔ ناشر: فضلی سنز لمیٹڈ، اُردو بازار، کراچی۔ فون: ۰۲۱-۳۲۲۱۲۹۹۱۔ صفحات: ۶۷۲۔ قیمت: ۶۹۵ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب سیرت النبیؐ کے موضوع پر معروف تاریخ دان ڈاکٹر معین الحق کی انگریزی میں لکھی گئی کتاب محمد، لائف اینڈ ٹائمز کا اُردو ترجمہ ہے جس میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ ان پر مغربی غیرمسلم مصنّفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

کتاب کے کُل ۳۱ ابواب ہیں جن میں ظہورِ اسلام سے قبل کے حالات سے لے کر حضور اکرمؐ کی وفات تک کے حالات و واقعات، مستند و معتبر مآخذ کے حوالوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ اسلامی معاشرے کی اساس اور بنیادی اصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف کے خیال میں حضور اکرمؐ نے قرآن وسنت کے ذریعے جو ضابطہ حیات دیا، یہ ابدی ہے (ص ۲۹)۔ اسے قائم رکھنے کے لیے اسلامی ریاست تشکیل دی گئی۔ بعض مستشرقین نے حضور اکرمؐ کے غزوات وسرایا کو جارحانہ جنگیں قرار دیا ہے (ص۳۲۲)۔ مصنف نے عہدنبویؐ کی جنگوں کے اسباب ومحرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسانی تاریخ کی یہ ایسی جنگیں ہیں جن میں بہت کم قتل و غارت ہوئی۔ جارحیت کے مرتکب تو قریش تھے جو مکہ سے بار بار حضور اکرمؐ پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حضور اکرمؐ کی جنگی حکمت عملیوں نے مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کیا۔

حضور اکرمؐ کی شخصیت، آپؐ کی خصوصیات اور آپؐ کی امتیازی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی مصنف نے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے (۶۱۵)۔ مصنف نے حضور اکرمؐ کی زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمے کی روانی، بے ساختگی اور اسلوب نے اسے طبع زاد کتاب کی صورت دے دی ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں سیرت النبیؐ پر لکھی گئی کتابوں میں زیرتبصرہ کتاب اپنے اسلوبِ بیان اور موضوع کی ندرت کے لحاظ سے نہایت اہم تصنیف گردانی جائے گی۔ (ظفر حجازی)

اسالیبِ دعوت اور مبلّغ کے اوصاف، شیخ محمد فتح اللہ گولن، مترجم: محمد اسلام۔ ناشر: ہارمنی پبلی کیشنز، مکان نمبر۹، ایف-۱۰/۲، اسلام آباد۔ فون: ۲۲۱۲۲۵۰-۰۵۱۔ صفحات: ۲۳۶۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔

مصنف ترکی نژاد عالم باعمل ہیں۔ ترکی کے علاوہ عربی اور فارسی پر بھی عبور ہے۔ آپ نے دین کی تبلیغ کا آغاز ازمیر کی جامعہ مسجد 'کستانہ بازاری' سے ملحق مدرسہ 'تحفیظ القرآن' سے کیا اور چلتے پھرتے واعظ کے طور پر اناطولیہ کے گردونواح میں واعظ کے طور پر کام کرتے رہے اور ۱۹۷۰ء میں تربیتی کیمپ لگانا شروع کیا اور باہمی گفت وشنید، افہام وتفہیم اور تعصب سے پاک دعوت وتبلیغ کی مؤثر تحریک بپا کی۔ اسی سلسلے میں وٹی کن سٹی میں پوپ کی دعوت پر ان سے ملاقات کی اور اسلام کی دعوت پہنچائی۔ مؤلف نے اسلام کے مختلف موضوعات پر ۱۶ سے زیادہ کتب تصنیف

کی ہیں جن میں سے نو کتب اُردو میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب میں مصنف نے پہلی فصل: تبلیغ کا تعارف میں عنوانات کے تحت، خوب صورت اور مؤثر انداز میں تبلیغ کو قرآن و حدیث مبارکہ کی روشنی میں مقصد زندگی قرار دیا ہے۔ پھر اس کی ضرورت اور اہلیّت کی شرائط بیان کی ہیں۔ اس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ مختلف پیغمبروںؑ کی دعوت و تبلیغ کے تاریخی واقعات بیان کیے ہیں۔

دوسری فصل: 'دعوت و تبلیغ کے اصول وضوابط' کے تحت ۱۱ عنوانات کے تحت ہر وہ متعلّق بات بیان کردی ہے جو دعوتِ دین کے لیے انتہائی ضروری ہے، مثلاً علم اور دعوت کا تعلّق، اسلامی حقائق اور دورِحاضر سے آگاہی، جائز ذرائع کا استعمال، مخاطب کے مزاج سے آگاہی، دعوت کے لیے ایمان، تزکیہ اور اخلاص کی اہمیّت، مستقل مزاجی وغیرہ۔ اسی طرح تیسری فصل: 'مبلغ تحریر کے آئینے میں' وہ تمام اہم خصوصیات بیان کردی ہیں جو مبلغ میں ہونا ضروری ہیں، مثلاً شفقت، ایثاروقربانی، منطقی طرزِ استدلال اور واقعیت پسندی، عفوودرگزر، شوق واشتیاق وغیرہ۔ جگہ جگہ قرآن، حدیث اور تاریخ اسلامی سے استدلال کتاب کی جان ہے۔ ص ۵۷ کی درج ذیل تحریر سے کتاب کی اہمیّت کا بہتر اندازہ کیا جاسکتا ہے: حقیقی ایمان اور اس کی بقا کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ۱- اپنی زندگی میں صرف حق بات کی پیروی کرے، ۲- ظلم کے خلاف گونگے شیطان کی طرح خاموش تماشائی نہ بنا رہے، ۳- زندگی اور موت کی پرواہ نہ کرے، ۴- ہمیشہ صحابہ کرامؓ کے وضع کردہ مفاہیم کے دائرے میں رہے، ۵- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھے۔ مذکورہ اُمور کے بغیر زندگی بالکل ہی بے فائدہ ہے۔

اس کتاب کے مقدمے میں پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد، وائس چانسلر رفاہ یونی ورسٹی اسلام آباد نے بڑی وقیع بات کہی ہے: ''اس موضوع پر استاد عبداللہ کریم زیدان، استاد ابوالاعلیٰ مودودی، امام حسن البنا، استاد مصطفیٰ مشہور، استاد عبداللہ بن بدیع سقر، استاد فتحی یکن اور دیگر اساتذہ نے جن مضامین دعوت پر اُمت کو متوجہ کیا تھا، استاد گولن کی یہ تحریر انھی خصوصیات پر ایک جامع لیکن مختصر تحریر ہونے کی بنیاد پر ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ہر مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ کارِتبلیغ ایک اہم فریضہ ہے۔ تحریکاتِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے یہ کتاب نصابی کتاب کا درجہ

رکھتی ہے۔(شہزاد الحسن چشتی)

Muslims Today: Changes within, Challenges without [آج کے مسلمان: داخلی تغیرات، خارجی چیلنج]، ڈاکٹر چندرا مظفر، سیریز ایڈیٹر: ڈاکٹر ممتاز احمد۔ناشر: ایمل مطبوعات، آفس نمبر۱۲، سیکنڈ فلور، مجاہد پلازا، بلیوایریا، اسلام آباد۔ فون:۲۸۰۳۰۹۶-۰۵۱۔صفحات:۲۸۲۔قیمت:۷۸۰روپے

ڈاکٹر چندرا مظفر، ملیشیا کی سائنس یونی ورسٹی میں 'گلوبل اسٹڈیز' کے پروفیسر ہیں۔ وہ انگریزی اور ملائی زبانوں میں ۲۵ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، اور بین الاقوامی سیاسی اور سماجی اُمور کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔پیش نظر کتاب اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ (IRD)، شعبۂ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد نے شائع کی ہے۔عصری اسلامی فکر کے مطالعے کے سلسلۂ کتب میں IRD کی یہ پہلی کتاب ہے۔ادارے کے ڈائرکٹر پروفیسر ممتاز احمد کے بقول:''مسلمانوں کو درپیش عصری سوالات کے یہ تجزیے نہ صرف وقت کا تقاضا ہیں، بلکہ قرآن وسنت کی حُریت فکر پر مبنی ہیں''۔مصنف برٹرینڈ رسل، نوم چومسکی، ایڈورڈ سعید، رچرڈ فالک اور ہمارے عہد کی عظیم درخشندہ ہستیوں کی روایت پر مضبوطی سے قائم ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ مسلم اور غیرمسلم قارئین کو عصری اسلام میں تنقیدی اور اہم آوازوں سے آشنا کرنے کے لیے ان کا ادارہ کوشاں ہے۔تصورات کی اس جنگ کو وہ مسلم دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

۱۳/ابواب پر مشتمل یہ کتاب، چندرا مظفر کی مختلف تصانیف سے ماخوذ تحریروں سے ترتیب دی گئی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس وقت مسلم معاشرہ ایک عالمی استعمار کا شکار ہے۔جبر پر مبنی یہ غلبہ خارجی بھی ہے اور داخلی بھی کہ ۱۲ویں صدی سے مسلم علمانے یا تو غالب مسلم حکمرانوں سے سمجھوتا کرلیا ہے، اور اس طرح دین کی تفہیم کو اپنا اجارہ بنالیا ہے، اور اب حال یہ ہے کہ مسلم اکثریت، فقہ اور حدود کے منتخب قوانین ہی کو اسلام تصور کرنے لگی ہے، اور قرآن کے آفاقی اصولوں سے اغماض برت رہی ہے۔مصنف کے خیال میں اللہ پر ایمان اور اس کا پختہ شعور، خلیفۃ اللہ فی الارض کی انسانی حیثیت اور اس کی ذمہ داریاں، آفاقی اقدار اور اصولوں کے مطابق زندگی، زیادہ اہم ہیں۔ یہ قواعد وقوانین، عبادات اور دوسرے اوامر ونواہی پر فوقیت رکھتے ہیں'' (ص ۱۱)۔اپنے مضامین

میں وہ 'مسلم ممالک' کو ہمیشہ 'اسلامی ممالک' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ 'تقلید' اور قوت اور استبداد کے ذریعے شریعت کو نافذ کرنے کی حکومتی روش پر تنقید کرتے ہیں۔

اسلام کے تصورِ مساوات کے ضمن میں وہ قرآنِ مجید کی متعدد آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ چوں کہ سارے انسان ایک ہی جوڑے سے بنائے گئے ہیں اور کسی عرب کو غیرعرب پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی، اس لیے انسانوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ 'ترقی پسند اسلام' بمقابلہ 'روایتی، قدامت پسند اسلام' کی فکر پر باربار تنقید کرتے ہیں۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنے نقطۂ نظر کی سب سے بڑی سند بتاتے ہیں (ص ۱۶)۔ وہ کہتے ہیں کہ ابتدا میں مسلمانوں کو دوسرے گروہوں اور انسانوں سے ایک علیحدہ جماعت قرار دینے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اُن کو کوئی خاص رعایت دی جائے، بلکہ غرض محض یہ تھی کہ خطرات سے دوچار لوگوں کو معاندانہ رویے کے حامل معاشرے سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ (ص ۱۵)

افغانستان کا نام لیے بغیر وہ کہتے ہیں کہ ایک مسلم ملک میں طویل جدوجہد اور قتل و غارت کے ذریعے جب 'اسلامی حکومت' قائم ہوئی، تو ہزاروں مسائل سے قطع نظر کر کے حکمرانوں نے خواتین کے حجاب کے قانون ہی کو اوّلیت دی۔ ایک دوسرے ملک [پاکستان] میں اداروں/ دفاتر میں نماز کی ادایگی ہی کو اہمیّت دی، حالانکہ غربت، بھوک، بیماری جیسے بیسیوں مسائل توجہ طلب تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام بحیثیت ایک 'نظامِ حیات، انصاف ہی کو بنیادی اہمیّت دیتا ہے، مگر اسلامی/مسلم ملکوں میں غیرمسلموں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ افسوس ناک امتیاز برتا جارہا ہے (افغانستان، سوڈان، سعودی عرب) (ص ۶۸)۔ اقبال کا 'ترانۂ ہندی' ان کے خیال میں بہترین قومی نظم ہے۔ (ص ۱۷۶)

تقلید، جمود، انتہاپسندی، خودراستی کا تصور، امتیاز پسندی، اقتدار اور غلبے کی ہرصورت میں خواہش ___ یہ آج کے مسلم معاشروں کی تصویر ہے۔ عالمی امریکی تسلط کے نتیجے میں دنیا کے ڈیڑھ ارب انسان انتہائی غربت کا شکار ہیں۔ ہمیں اس بے انصافی کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔

انھیں بیش تر مغربی ذرائع ابلاغ سے بھی گلہ ہے کہ وہ اسلام کو درست طور پر پیش نہیں کر رہے۔ اُنھیں صرف مسلمان ہی انتہاپسند اور متشدد نظر آتے ہیں، حالاں کہ یہ خوبیاں اُن کے ہاں بھی

موجود ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ اپنی فلموں اور سنجیدہ تحریروں میں اسلام اور مسلمانوں کو ایک 'فتنہ' اور 'خودکش بمبار' بنا کر پیش کر رہے ہیں، جو ایک یک طرفہ فکر ہے۔

احیاے اسلام کی تحریکوں کو درپیش حقیقی چیلنج اب یہ ہے کہ وہ قرآن کی اصل رُوح کو دریافت اور بازیافت کریں، اور اس کے مطابق اپنے لائحہ عمل مرتب کریں۔ اس سلسلے میں وہ اقبال، جمال الدین افغانی، علی شریعتی اور فضل الرحمٰن کی کاوشوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ تاہم، مصنف کا یہ خیال بحث طلب ہے کہ اسلامی دنیا پر مغربی استعمار کے تسلط کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم معاشروں کی فکر میں ایک وسعت آئی ہے، اور وہ قدامت پسندی کے بجاے اب 'آفاقی اقدار' کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

عمدہ کاغذ پر نفاست سے طبع شدہ اس کتاب میں جگہ کا ضیاع، اغلاط (ابوالکلام کی جگہ عبدالکلام) اور اشاریہ کی عدم موجودگی کھٹکتی ہیں۔ (پروفیسر عبدالقدیر سلیم)

مغرب اور اسلام [مغربی افکار اور آج کی مسلم دنیا] مدیر: پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، گلی نمبر۸، F-۶/۳، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۳۳۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد کی ادارت میں علمی و تحقیقی مجلّہ، مغرب اور اسلام قابلِ قدر مضامین پیش کر رہا ہے۔ حال ہی میں 'مغربی افکار اور آج کی مسلم دنیا' کے زیرعنوان ۲۰۱۳ء کا پہلا شمارہ منظرعام پر آیا ہے۔ اداریے میں مغرب اور اسلام پر جدید مباحث کے تناظر میں مکالمے پر زور دیا گیا ہے۔

'اسلام اور مغرب: موجودہ مسائل اور مسلمانوں کا ردعمل' (پروفیسر خورشید احمد) کے زیرعنوان مغرب اور مشرق کی اہم تحریکوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مسلم دنیا کہاں کھڑی ہے؟ صاحبِ مضمون کی تجویز ہے کہ 'انسانیت اور مسلم اُمہ کی بھلائی کے لیے ضروری ہے کہ 'ایسے کو تیسا' اور جذباتی ردعمل کے بجاے، جس کے جواز پر بھی دلائل دیے جاسکتے ہیں، ہمیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا، تاکہ انسانیت کی مجموعی فلاح کے لیے ہم اپنے خواب کو حقیقت میں ڈھال سکیں۔ اُن کا یہ جملہ قابلِ قدر ہے کہ "جب تک اسلامی تحریکیں لوگوں کو اُن کے **موجودہ مسائل کا حل نہیں بتائیں گی، ہمارا تقسیم شدہ ووٹ ہمیشہ محدود رہے گا**"۔

تحقیقی مقالے کے بعد سوال و جواب شامل کیے گئے ہیں جو قابلِ قدر اور فکرافروز ہیں۔ اسی طرح 'تحقیق کے مغربی اور اسلامی اسلوب تحقیق کی اساسیات' (پروفیسر خورشید احمد) ایک اہم مقالہ ہے جس میں سیکولرزم پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ عالم گیر دنیا کے لیے عالم گیر اخلاقیات پر پروفیسر انیس احمد نے قلم اُٹھایا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے عالمی معاشی بحران کا تجزیہ پیش کیا ہے اور بحران کے حل کے لیے نظری و عملی پہلوؤں اور اسلام کے معاشی قوانین پر عمل کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ یہ مجلّہ اہلِ علم کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔(محمد ایوب منیر)

عسکریت اور رعیت، تنازعات اور عوامی استحصال کا تاریخی پس منظر، سعد اللہ جان برق۔ ناشر: نیریٹوز پرائیویٹ لمیٹڈ، اسلام آباد۔ فون: ۲۲۹۱۵۸۶-۰۵۱۔ صفحات: ۲۲۔ قیمت: ۴۵۰ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب میں مصنف نے مروجہ نظریات، فلسفے، عقائد اور رویوں سے ہٹ کر ہمیں ایک منفرد نظریے سے متعارف کروایا ہے۔ انھوں نے نوعِ انسانی کو عسکریت اور رعیت کے دو طبقات میں تقسیم کیا ہے اور پھر اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے پوری انسانی تاریخ، تاریخ کا بنیادی فلسفہ، قدیم و جدید ادب اور نظریات، عقائد، یونانی، ہندی اور قدیم تہذیبوں کے دیومالائی قصوں کا سہارا لیا ہے۔ اپنے نظریے کو پیش کرتے ہوئے مصنف ہمیں ڈارون، ہیگل، روسو، کارل مارکس اور سرسیّد وغیرہ سے متاثر نظر آتے ہیں، تاہم وہ اپنے نظریات مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں۔

موجودہ دور عسکریت پسندی، تشدد، ظلم و زیادتی اور استحصال کا دور ہے۔ دنیا اس وقت ہیجانی کیفیت کا شکار ہے۔ روس کے زوال کے بعد امریکا تمام دنیا پر چڑھ دوڑا ہے اور جہاں چاہتا ہے ظلم و ستم کا بازار گرم کردیتا ہے۔ نائن الیون کے بعد اگرچہ عسکریت پسندی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیرتبصرہ کتاب اس موضوع پر مفید کتاب ہے جو ہمیں نہ صرف موجودہ دور کے عسکریت پسندانہ اور جدید نظریات کا فہم عطا کرتی ہے بلکہ گزرے ہوئے زمانوں کا وسیع اِدراک بھی پیدا کرتی ہے۔ یہ کتاب موجودہ دور کو سمجھنے کے لیے رہنمائی دیتی ہے۔(طاہر آفاقی)


سنڈِپ
قدرتاً بہتر
نورس
قومی مشروب
Sun Dip
Mixed
Pickle in Oil
Sun Dip
MANGO
Squash
Sun Dip
Green
CHILLI
Sauce
ORIGINAL
HOT
SPICY
Sun Dip
ORANGE Marmalade
Sun Dip
Tomato Ketchup
ٹماٹو کیچپ
Net Wt.500g (1.1Lbs)
www.naurus-sundip.com
Pakistan Standards

توسیعی منصوبہ الخدمت ہسپتال اورنگی ٹاؤن

سابق ناظمِ کراچی **نعمت اللہ خان کی اپیل**

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الخدمت ہسپتال اورنگی ٹاؤن گذشتہ 15 سال سے ایشیا کی سب سے بڑی کچی آبادی اورنگی ٹاؤن اور اس کے ملحقہ آبادیوں، سائٹ اور بلدیہ میں لوگوں کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس وقت اس ہسپتال میں میٹرنٹی ہوم، آئی فیکو سرجری، ڈینٹل کے شعبہ جات کام کر رہے ہیں نیز 26 کنسلٹنٹ اپنی خدمات انجام دیتے ہیں، علاقے کی سب سے جدید لیبارٹری موجود ہے۔ اوسطاً روزانہ پانچ سو مریض مستفید ہو رہے ہیں، مریضوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور مزید سہولیات فراہم کرنے کے لئے اس کے توسیعی منصوبے کے تعمیراتی کام کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس منصوبے پر اندازاً دس کروڑ روپے کا تخمینہ ہے۔ ان شاء اللہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد یہ ہسپتال علاقے کا جدید ترین ہسپتال ہوگا۔ جس میں تمام سہولیات فراہم ہونگی۔

محترم خواتین وحضرات اس وقت بھی آپ کے دئے ہوئے عطیات سے خدمت انجام دے رہا ہے۔ اور مجھے امید ہے اس منصوبے کی تکمیل تک آپ کا تعاون جاری رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

ملتمس

نعمت اللہ خان

سابق سٹی ناظم کراچی

سابق صدر الخدمت فاؤنڈیشن

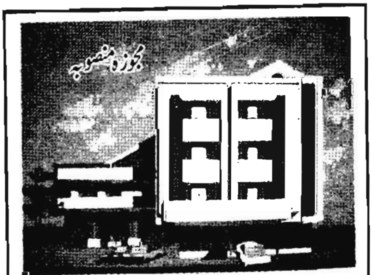
برائے رابطہ

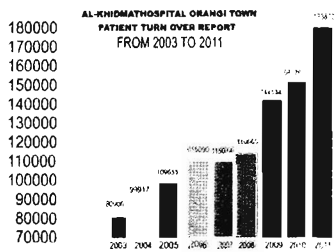
محمد اسحاق خان
امیر جماعت اسلامی ضلع غربی کراچی
وسرپرست اعلیٰ الخدمت ہسپتال
موبائل نمبر۔ 03332205538

عزیر بیگ قاسمی
نائب امیر جماعت اسلامی ضلع غربی کراچی
ونگران الخدمت ہسپتال
موبائل نمبر۔ 0301-2863828

محمد لئیق خان
ایڈمنسٹریٹر الخدمت ہسپتال/EX-MNA
موبائل نمبر۔ 0300-9240133

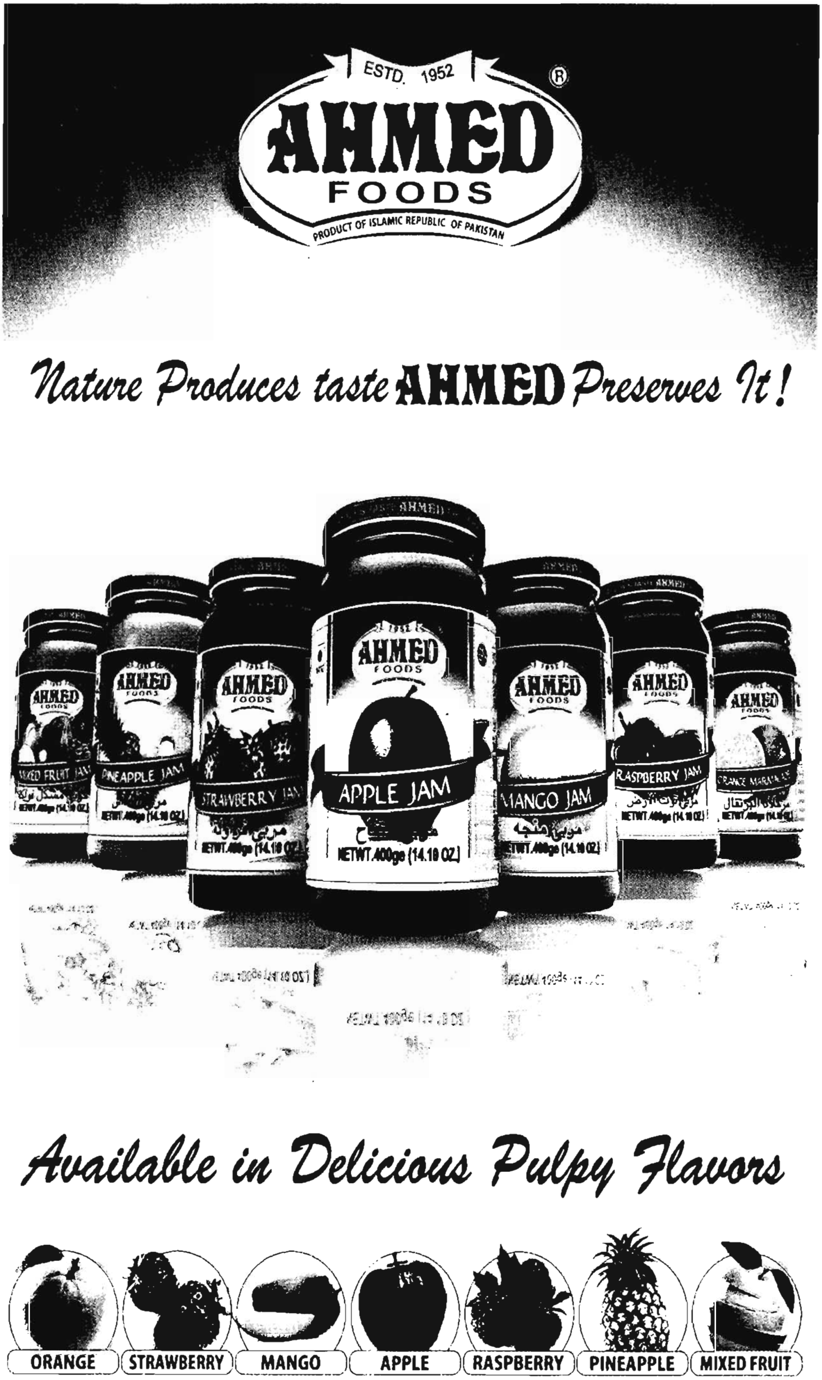
آن لائن اکاؤنٹ
نیشنل بینک آف پاکستان اورنگی
برانچ کوڈ۔ 1055 اکاؤنٹ نمبر۔ 1042-4





email: alkhidmathospitalorangi@gmail.com | Ph : 0213-6668893

مرزا محمد الیاس نے ارقم آفاق پرنٹر، بلال گنج سے چھپوا کر اچھرہ، لاہور سے شائع کیا۔


ESTD. 1952
AHMED
FOODS
PRODUCT OF ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN
Nature Produces taste AHMED Preserves It!
MIXED FRUIT JAM
PINEAPPLE JAM
STRAWBERRY JAM
APPLE JAM
NETWT. 400gs (14.10 OZ.)
MANGO JAM
مربی منجه
RASPBERRY JAM
Available in Delicious Pulpy Flavors
ORANGE
STRAWBERRY
MANGO
APPLE
RASPBERRY
PINEAPPLE
MIXED FRUIT

Fax: 35427915

